موجودہ بنکنگ اور اسلامی بنک کاری

ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب

عصر حاضر کے جو مسائل عالم اسلام کے لیے کھلا چیلنج رکھتے ہیں۔ ان میں موجودہ بنکنگ کا "ربائی سسٹم" سب سے زیادہ اہم ہے۔ ساری دنیا میں بنکوں کا جو نظام متداول اور متعارف ہے۔ اس کی تمام تر اساس "ربٰو" اور سود" پر ہے۔ جس کی بنا پر ساری دنیا میں یہ خیال راسخ اور مستحکم ہوگیا ہے کہ "سودی" نظام کو اپنائے بغیر کسی بھی بنک کو چلانا ممکن نہیں ہے اور یہ کہ "غیر ربائی بنک کاری" کا تصوّر محض ایک مفروضہ ہے۔

چاہیے تو یہ تھا، کہ اس کے جواب میں اسلامی دنیا میں ردعمل ہوتا اور "مسلم ماہرین معاشیات" اس سوال کا تسلی بخش حل پیش کرتے، لیکن اب تک یہ معاملہ "مبادیات" پر توجہ دینے سے آگے نہیں بڑھا۔ اور بد قسمتی کی بات ہے، کہ قدیم و جدید نظام تعلیم کی تفریق نے، اس مسئلے کو مزید الجھا کے رکھ دیا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ لوگ عربی اور دین نہیں سمجھتے اور عربی اور دینیات جاننے والوں کو "جدید اقتصادیات نہیں آتی۔ جس کا نتیجہ ہے کہ" دیندار" حلقے صرف شور مچانے سے آگے نہیں بڑھتے۔ اور جدید دور میں صرف شور مچا کر، کسی مسئلے کو حل کرنا ممکن نہیں ہے۔ جبکہ "جدید تعلیم یافتہ ذہن اس مسئلے کی اہمیت اور اس کی نزاکت سے کماحقہ واقف و آشنا نہیں ہے۔ انہیں یہ احساس نہیں ہے کہ یہ مسئلہ عصر حاضر میں اسلام کے مستقبل لیے کتنا بنیادی مسئلہ ہے۔ کیونکہ بڑی حد تک موجودہ دور میں اسلام کی تمام خامیوں اور خوبیوں کو ثابت کرنے کا راز اسی مسئلے کے حل میں مضمر ہے۔ اگر تو مسلمانوں نے یہ مسئلہ حل کر لیا، تو جدید دنیا یہ باور کرے گی، کہ اسلام کے پاس" موجودہ مسائل" کا تسلی بخش حل موجود ہے اور اگر بد قسمتی سے وہ اس مسئلے کے

حل میں ناکام رہے، تو دنیا کبھی ان کی بات پر کان نہیں دھرے گی۔

دوسری جانب "مسلمان حکومتیں" دوسری حکومتوں کے زیر اثراتنی "بے حس" ہیں۔ کہ ان کے پاس اس مسئلے پر توجہ دینے کے لیے کوئی وقت نہیں ہے۔ انتہا یہ کہ اسلام کے نام پر جو تحریک اٹھتی ہے، اس میں بھی اس مسئلے پر مداھنت کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دور اقتدار میں اسلامائزیشن کے عمل کے دوران میں صرف یہ ہوا، کہ بنکوں کے بچت کھاتوں (SAVING ACCOUNT) کا نام بدل کر، نفع ونقصان کا کھاتہ (PROFIT/LOSS SAVING ACCOUNT) رکھ دیا گیا۔ گویا انہوں نے مُردے کو کفن پہنا کر، یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے اس مسئلے کو حل کر دیا ہے جبکہ اسلامی جمہوری اتحاد کی موجودہ حکومت نے "بنکنگ" سمیت، موجودہ "اقتصادی نظام" کو شریعت بل سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ یہی حال عرب ممالک سمیت باقی اسلامی ملکوں کا ہے، جو بڑی مستعدی سے یورپ کے سودی نظام کو اپنا نجات دھندہ سمجھ کر، اس کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں، کہ یورپ کے تمام بڑے بڑے بنک انہی کے سرمائے سے چل رہے ہیں، اگر عرب دنیا اپنا سرمایہ نکلوا لے، تو یورپ کے بہت سے بنک دیوالیہ ہو کر رہ جائیں۔

یہ حالات اس طویل اور سیاہ رات کی غمازی کر رہے ہیں، جو اسلامی دنیا پر چھائی ہوئی ہے اور جو ابھی چھٹنے کا نام نہیں لیتی اور جس کی ظلمتوں کی گہرائی ہر آئے دن بڑھتی چلی جاری ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ:

- کیا دنیا سے اس ظلم، اور زیادتی کا کبھی خاتمہ نہیں ہوگا۔ جو دنیا کے بڑے بڑے ساہوکاروں اور بنیوں نے شروع کر رکھی ہے۔
- کیا اسلام کا اقتصادی نظام محض ایک مفروضہ ہے؟
- کیا اسلام کے پاس جدید مسائل کا تسلی بخش حل موجود نہیں ہے؟

یہی وہ سوالات ہیں، جن کا جواب مسلمانوں کی موجودہ نسل کو پیش کرنا ہے اور اگر اس نے ان سوالوں کا تسلی بخش جواب پیش نہ کیا۔ تو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا وہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ جو ہمارے بزرگوں اور اکابرین نے دیکھا تھا، اور جس کی تعبیر ہم ایک مدت سے تلاش

کر رہے ہیں ۔

اس تمہید کے بعد عین مناسب ہوگا کہ پہلے اس علمی سرمائے پر نظر ڈال لی جائے ، جو اب تک " غیر ربائی بنک کاری " کے عنوان سے ترتیب دیا جا چکا ہے ۔ اور پھر یہ دیکھا جائے ، کہ ہم کہاں کھڑے ہیں ۔

جدید بنکنگ کی تاریخ

آگے بڑھنے سے قبل بہتر ہوگا ۔ کہ ہم موجودہ بنکوں کی تاریخ اور ان کے پس منظر پر نظر ڈال لیں ، تاکہ ہمیں پتہ چل سکے ، کہ یہ بنک کیسے اور کیونکر معرض وجود میں آئے اور ان کی تعمیر و ترقی میں کتنے انسانوں کا خون ناحق شامل ہے ۔

جب ہم بنکوں کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں ، تو بقول (ENCYCLOPAEdia BRITANNICA کے مقالہ نگار (T.S.G.W) ہمیں نظر آتا ہے کہ جدید صنعتی دور میں تین طرح کے بنک موجود ہیں اور دنیا کی موجودہ معاشی ترقی میں دونوں ہی کا حصہ ہے اسی لیے اب بنکوں کی موجودگی ہر معاشرے کی اقتصادی زندگی کی روح رواں کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں ۔

ان میں سے ایک قسم " تجارتی " یا کمرشل بنکوں کی ہے ۔ کمرشل یا تجارتی بنک رقم ، یا رقم کے قائم مقام ، مثلاً چیک ، رسیدات ، بل ہنڈی وغیرہ کا کاروبار کرتے ہیں ، اس کے گاہکوں میں انفرادی سطح سے لے کر ، پرائیویٹ فرموں ، تجارتی کمپنیوں اور بڑے بڑے اداروں تک سبھی شامل ہوتے ہیں ۔ تجارتی بنک اپنے ذاتی سرمایے اور لوگوں کی امانتوں سے کاروبار کرتے ہیں ۔ لوگوں کو بھاری سود پر قرض دیتے ہیں ۔ کمپنیوں اور فیکٹریوں کے لیے شرح سود یا شراکت کی اساس پر سرمایہ مہیا کرتے ہیں اور ایک محدود سی رقم ، خود ان کے پاس جمع رہتی ہے ۔ جو رقوم واپس لینے والوں کو واپس کی جاتی ہے ۔

کمرشل یا تجارتی بنک ہمیشہ اس اصول پر کام کرتے ہیں کہ لوگ جتنا سرمایہ جمع کراتے ہیں ۔ اتنا سرمایہ وہ واپس نہیں لیتے ۔ جس کے نتیجے میں بنک کے پاس اپنے ذاتی سرمائے کے علاوہ لوگوں کی امانتوں کا بہت سا روپیہ جمع ہو جاتا ہے اور یہی سرمایہ اس کے تجارتی اور منافع بخش اغراض کے لیے مستعمل ہوتا ہے ۔

حاصل ہونے والے منافع میں سے ، تجارتی بنک کچھ منافع اپنے گاہکوں کو واپس کر دیتا ہے

اور باقی منافع اس کے ذاتی مصرف میں مصروف رہتا ہے۔

۲۔ بنک کی دوسری قسم مرکزی بنک (یا CENTRAL BANK) کی ہوتی ہے، یہ بنک عام طور پر حکومت کی تحویل میں ہوتا ہے۔ اس بنک کے ذریعے حکومت اپنے سکے کو کنٹرول کرتی ہے۔ اور یہی بنک، تجارتی یا کمرشل بنکوں کو ملک کی کرنسی دیتا اور دوسری کرنسیوں سے اپنی کرنسی کا تبادلہ وغیرہ کرتا ہے۔

۳۔ بعض اوقات، بنک تجارتی بنکوں کو "فنانس کمپنیز" کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ تجارتی کمپنیاں درحقیقت سرمایہ لگانے (INVESTMENT) کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔ لیکن ایسی تجارتی کمپنیاں "رقم" (MONEY) کا کاروبار نہیں کرسکتیں [1]

۲۔ بنک کا ماضی

بنکنگ کا تصور کسی نہ کسی صورت میں زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے مگر اس زمانے کی بنکنگ کی زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔ عہد نبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگ اپنی امانتیں جمع کراتے تھے، یہ بھی بنک ہی کی ایک صورت تھی، یہ ایک بات ہے کہ اسے موجودہ بنکنگ سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اسی لیے فقہ کی کتابوں میں "کتاب الودیعہ" (امانت رکھوانے) کا مفصل ذکر ملتا ہے۔ موجودہ بنکنگ کی تاریخ ساتویں صدی ہجری / تیرہویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے [2] اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ اس زمانے میں لوگ زیادہ تر اپنی دولت سونے کی شکل میں جمع کیا کرتے تھے اور رفتہ رفتہ لوگوں نے سونے چاندی کے ان ڈھیروں کو اپنے پاس رکھنے کو خطرناک گردانتے ہوئے اسے سناروں کے پاس جمع کرانا شروع کردیا یہی "سنیارے" اور ساہوکار ابتدائی دور کے "بینکر" ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر سکوں اور سونے چاندی کو جمع کرتے، ان کے باہمی تبادلے۔ ان کی کوالٹی اور معیار کو برقرار رکھنے یا اس کے جانچنے کا کاروبار کرتے تھے۔

اس زمانے میں بنکوں کی ایک اور قسم "دوکاندار بنکوں" (MERCHANT BANKERS) کی تھی، جو اشیاء (goods) اور رقم کی رسیدات ولوں کا کاروبار کرتے تھے۔

---

[1] دیکھئے: Encyclopaedia Britannica، مقالہ BANK، ۲، ۶۰۰ ایڈیشن ۱۹۵۰ء

[2] ایضاً

یہ بنک اپنے گاہک سے رقم وصول کر کے، اسے دور دراز علاقے میں اس شخص تک بھی پہنچاتے تھے، جسے اس نے رقم بھیجنا ہوتی تھی لیے

یہ ساہوکار رقوم وصول کر کے جو رسیدات جاری کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ رسیدات خرید وفروخت اور قرضوں کی ادائیگی وغیرہ کے لیے ایک آدمی سے دوسرے آدمی کی طرف منتقل ہونے لگیں۔ لوگوں کو یہ بات آسان نظر آتی تھی کہ وہ سونار سے سونا نکلوانے کے بجائے اسونے کی رسید ایک دوسرے کو دے دیں، اور رسید دینے کے معنی گویا سونا حوالہ کر دینے کے تھے۔ اس لیے وہ اصل سرمایہ، جو سونے کی شکل میں بنک کاروں / سنیاروں کے پاس محفوظ رکھا جاتا تھا، اسے بہت کم نکلوانے کی نوبت آتی تھی۔

تجربہ سے "بنک کاروں" کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس لوگوں کی امانتوں کا جو سونا جمع ہے۔ اس کا بمشکل دسواں حصّہ نکلوایا جاتا ہے، باقی حصّے ان کی تجوریوں میں بے کار پڑے رہتے ہیں۔ انہوں نے اسے لوگوں کو بطور قرض دے کر اس پر سود وصول کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح انہوں نے ایک وقت میں دو طرح سے لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ایک تو اس طرح وہ لوگوں سے اس سونے کی حفاظت کا معاوضہ وصول کر لیتے تھے۔ اور ثانیاً اس طرح کہ وہ اسے "سود" پر دیکر نفع کماتے تھے۔

بعد ازاں انہوں نے ایک اور قدم کے طور پر قرض کے لیے بھی کاغذی رسیدیں ہی چلا دیں، اور جب انہوں نے دیکھا، کہ ان کا یہ تجربہ کامیاب رہا ہے، تو انہوں نے ان کے پاس سونے کے
نو فیصد محفوظ
حصّوں پر ۹۰٪ کی جعلی رسیدیں بنا کر "زر کاغذی" کی حیثیت سے چلا دیں اور یوں قرض کے کاروبار کو وسعت دی۔ اس جعل سازی کے ذریعہ سے ان لوگوں نے ۹۰ فیصد جعلی روپیہ بالکل بے بنیاد کرنسی کی شکل میں بنایا اور خواہ مخواہ اس کے مالک بن بیٹھے اور اس کا سود وصول کرنے لگے۔ حالانکہ اس کے عوض اشیاء اور خدمات حاصل کرنا کسی اصول اخلاق و معیشت

و قانون کی رو سے جائز نہیں ہے۔ نتیجۃً یہ بنک کار / سنار اس فریب کاری سے ملک کی ۹۰ فیصد دولت کے مالک بن گئے۔ اور انہوں نے کمال عیاری سے بادشاہ اور امراء اور وزراء تک سب کو اپنے دامِ تزویر میں پھانس لیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حکومتیں بذاتِ خود اپنی مالی مجبوریوں اور اندرونی مشکلات کی عقدہ کشائی کے لیے ان سے بھاری قرض لینے لگیں۔ اس وقت یہ لوگ اپنی دولت کے ذریعے ملک پر چھا گئے اور انہوں نے ہر طرح کی طاقت اور قوت حاصل کر لی۔ تاآنکہ حکومت نے ان بنک کاروں کا یہ حق مان لیا کہ وہ نوٹ جاری کریں، اور ان کے جاری کردہ نوٹ باقاعدہ زر کاغذی کی حیثیت سے کاروبار کی دنیا میں چلنے لگے۔

جس دور میں یہ جدید بنک کاری اس جعلی سرمایہ سے طاقت پکڑ کر سر اٹھا رہی تھی یہ دور مغربی یورپ میں صنعت و حرفت کے سیلاب بے بہا کے اٹھنے اور اس کے طاقت پکڑنے کا دور تھا۔ یورپ صدیوں کے خوابِ غفلت کے بعد آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا تھا اور اپنے ساز و سامان کے ساتھ پوری دنیا پر چھا جانے کا عزم رکھتا تھا جس کے زیر اثر مغربی ملکوں میں فیکٹریوں، کارخانوں اور مختلف تعلیمی اور مالیاتی اداروں کا جال بچھایا جا رہا تھا۔ اس تمام منصوبے کو سرمائے کی "حاجت" تھی۔ نئی نئی صنعتیں اور تجارتیں اپنے آغاز کے لیے سرمایہ مانگ رہی تھیں۔ پہلے چلتے ہوئے کاروبار اپنی ترقی اور پیش قدمی کے لیے بڑی اور روزافزوں مقدار میں سرمائے کے طالب تھے۔ ان سب کاموں کے لیے خود منصوبہ سازوں کا اپنا ذاتی سرمایہ بہر حال ناکافی تھا۔ اب لامحالہ دو ذرائع تھے جن سے یہ خونِ حیات اس تمدنِ جدید کے نوخیز شباب کی آبیاری کے لیے بہم پہنچ سکتا تھا:

اوّلاً: وہ سرمایہ جو سابق سناروں اور حال کے ساہوکاروں کے پاس تھا۔

ثانیاً: وہ دولت جو متوسط اور خوش حال طبقوں کے پاس ان کی پس انداز کی ہوئی آمدنیوں کی شکل میں جمع تھی۔

اس میں سے پہلی قسم کا جو سرمایہ ساہوکاروں کے قبضہ میں تھا، اس لیے اس کا ایک پیسہ بھی حصّہ داری کے اصول پر کسی کام میں لگنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ تو صرف اور صرف اسی شرط پر قرض دیتے تھے، کہ خواہ قرض لینے والوں کو نفع ہو یا نقصان، بہر حال وہ بنک کاروں کو ایک

طے شدہ شرح کے مطابق سود دیں گے۔

جبکہ دوسرا ذریعہ ہی ایسا تھا کہ جس سے معاشی کاروبار اور تعمیر و ترقی کے کاموں کے لیے سرمایہ آسکتا تھا۔ اور اگر ایسا ہو جاتا تو یہ عین انصاف ہوتا۔ مگر ان بنک کاروں نے اپنی منفی سوچ کے ذریعے، معاشرے سے خون کی یہ صحت بخش مقدار بھی چھین لی۔ وہ اس طرح ــــــ کہ ان ساہوکاروں نے سود کا لالچ دے کر تمام ایسے لوگوں کا سرمایہ بھی اپنے پاس کھینچنا شروع کر دیا جو اپنی ضرورت سے زیادہ آمدنی بچا رکھتے تھے، یا اپنی ضرورتیں روک کر کچھ نہ کچھ پس انداز کرنے کے عادی تھے۔ انہوں نے یہ کیا کہ پریس کے ذریعے لوگوں کو باور کرادیا۔ کہ یہ بنک انہی خدمت کے لیے ہیں، اور یہ کہ لوگوں کو اس زحمت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح تو انھیں خود حساب کتاب رکھنا ہوگا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس طرح سے انھیں نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے بجائے وہ اپنی رقمیں ان کے پاس جمع کرا دیں ہم ان کے سرمائے کی حفاظت کے ساتھ ساتھ انھیں بالمقطع ایک مقررہ شرح سے سود ادا کر دیا کریں گے۔

اس چال سے ۹۰ فیصدی، بلکہ اس سے بھی زیادہ پس انداز رقمیں بنک کاروں کے دست تصرف میں چلی گئیں اور یہ لوگ قریب قریب پورے قابل حصول سرمائے پر قابض ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے یہ بات قریب قریب ناممکن بنا دی کہ ان کی مقرر کردہ شرح کے سوا، کسی دوسری شرط پر کسی بھی کام کے لیے کہیں سے کوئی سرمایہ مل سکے۔ یہ راستہ چونکہ آسان بھی ہے اور "سہل الوصول" بھی۔ اس لیے کہ اس میں کسی خار مغیلاں سے واسطہ نہیں پڑتا۔ اس لیے لوگ اس طریقے کے عادی ہو گئے۔ اور انھیں کاروبار میں شرکت کے بجائے، سرمائے کا ایک لگا بندھا نفع وصول کرنے کی چاٹ لگ گئی۔

اس طریق کار نے قلم اور سیف، دونوں کی حکمرانی کا دور ختم کر دیا اور اس کی جگہ "بہی کھاتے" کی فرمان روائی قائم کر دی۔ غریب کسانوں اور مزدوروں سے لے کر بڑے سے بڑے صنعتی و تجارتی اداروں تک اور بڑی حکومتوں اور سلطنتوں تک سب کی ناک میں ایک غیر مرئی نکیل پڑ گئی اور اس کا سرا ساہوکار کے ہاتھ میں آگیا۔

اس کے بعد اس گروہ نے ایک قدم اور اٹھایا اور اپنے کاروبار کو وہ شکل دی جسے اب جدید

بنکنگ کہا جاتا ہے۔ پہلے یہ کاروبار عموماً انفرادی سطح پر تھا۔ اگرچہ بعض ساہوکار گھرانوں کا مالیاتی کاروبار بڑھتے بڑھتے عظیم الشان اداروں کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ جن کی شاخیں دور دراز مقامات پر قائم ہو گئی تھیں، لیکن بہر حال یہ الگ الگ گھرانے تھے اور اپنے ہی نام پر کام کرتے تھے۔ جب پران کے خلاق اور زہین دماغوں نے یہ سوچا کہ کیوں نہ ان انفرادی اداروں کو شہری، صوبائی، ملکی اور پھر بین الاقوامی سطح پر منظم کیا جائے۔ اور نہ صرف اپنے شہر، بلکہ پورے صوبے پورے ملک اور بلکہ تمام ممالک کی دولت کو ہتھیایا جائے، تاکہ زمین کے کسی بھی گوشے پر، ان کی مرضی کے بغیر کوئی دانہ کاشت کیا جاسکے اور نہ کوئی لقمہ کھایا جاسکے۔ اس طرح یہ بڑے بڑے بنک معرض وجود میں آئے جو آج تمام دنیا کے نظام مالیات پر قابض و متصرف ہیں۔

اس جدید دور میں بنکنگ کا مختصر الفاظ میں طریق کار یہ ہے کہ چند صاحب سرمایہ لوگ مل کر ایک ادارہ ساہوکاری قائم کرتے ہیں جس کا نام بنک ہے۔ اس ادارے میں دو طرح کا سرمایہ استعمال ہوتا ہے۔ ایک حصّہ داروں کا سرمایہ جس سے کام کی ابتدا کی جاتی ہے۔ دوسرا امانتداروں یا کھاتہ داروں (DEPOSITORS) کا سرمایہ جو بنک کا کام اور نام بڑھنے کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ملتا جاتا ہے اور اسی کی بدولت بنک کے اثر اور اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک بنک کی کامیابی کا اصل معیار یہ ہے کہ اس کے پاس اس کا اپنا ذاتی سرمایہ (یعنی حصّہ داروں کا لگایا ہوا سرمایہ) کم سے کم ہو اور لوگوں کی رکھوائی ہوئیں رقمیں زیادہ سے زیادہ ہوں۔

مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ بنک اپنا سارا کام تو چلاتا ہے امانتداروں کے روپے سے جن کا دیا ہوا سرمایہ بنک کے مجموعی سرمائے میں ۹۰ - ۹۵ فیصد بلکہ ۹۸ فیصد تک ہوتا ہے، لیکن بنک کے نظم و نسق اور اس کی پالیسی میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ چیز بالکل ان حصّہ داروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو بنک کے مالک ہوتے ہیں اور جن کا سرمایہ مجموعی سرمائے کا صرف دو تین یا چار پانچ فیصد ہوا کرتا ہے۔ امانت داروں کا کام صرف یہ ہے کہ اپنا روپیہ بنک کے حوالہ کر دیں اور اس سے ایک خاص شرح کے مطابق سود لیتے رہیں۔ اس سے آگے کسی بھی معاملے میں وہ کچھ نہیں بول سکتے۔ اس کا تعلق صرف حصّہ داروں سے ہے۔ وہی منتظمین کا انتخاب کرتے

ہیں، وہی پالیسی کا تعین کرتے ہیں، وہی نظم ونسق اور حساب کتاب کی نگرانی کرتے ہیں اور انہیں کے منشا پر اس امر کا فیصلہ منحصر ہوتا ہے کہ سرمایہ کدھر جائے اور کدھر نہ جائے۔ پھر حصّہ داروں میں سب یکساں نہیں ہوتے۔ متفرق چھوٹے چھوٹے حصّہ داروں کا اثر بنک کے نظام میں برائے نام ہوتا ہے۔ دراصل چند بڑے بھاری حصّہ دار ہی سرمائے کی اس جھیل پر قابض ہوتے ہیں وہی اور اس پر تصرف کرتے رہتے ہیں۔

بنک اگرچہ بہت سے چھوٹے بڑے کام کرتا ہے جن میں سے بعض یقیناً مفید، ضروری اور جائز بھی ہیں، لیکن اس کا اصل سرمائے کو سود پر چلانا ہوتا ہے۔ تجارتی بنک ہو یا صنعتی یا زراعتی، یا کسی اور نوعیت کا، بہرحال وہ خود کوئی تجارت یا صنعت یا زراعت نہیں کرتا بلکہ کاروباری لوگوں کو سرمایہ دیتا ہے اور ان سے سود وصول کرتا ہے۔ اس کے منافع کا اصلی اور سب سے بڑا ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ امانت داروں سے کم شرح سود پہ سرمایہ حاصل کرے اور کاروباری لوگوں کو زیادہ شرح پر قرض دے۔ اس طریق سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ حصّہ داروں میں اسی طرح تقسیم ہوجاتی ہے جس طرح تمام تجارتی اداروں کی آمدنیاں ان کے حصّہ داروں میں مناسب طریقہ سے تقسیم ہوا کرتی ہیں۔

۳۔ اسلامی بنک کاری۔ کیسے اور کیونکر؟

اس تمہید سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی۔ کہ سودی بنکاری "عہد قدیم" کے سودخور مہاجنوں اور یہودی ساہوکاروں کے کاروبار کی ایک ترقی یافتہ اور جدید صورت ہے، جس کے ذریعے انہوں نے معاشرے کے سفید پوش لوگوں کو لوٹنے اور ان کے سرمائے سے اپنی تجوریاں بھرنے کا لامحدود اختیار حاصل کر لیا ہے۔ اور ہر آنے والا دن اس استحصالی نظام میں مزید قوت اور شدت پیدا کر رہا ہے۔

ایک غریب اور محنت کش انسان رات دن ایک کرکے، ساری ساری رات پہرہ دے کر اور

دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ؛ مقالہ بنکنگ

نیز ابوالاعلیٰ مودودی : سود : ۱۴۰ - ۱۳۸

اپنی فصلوں سے جو محدود سی آمدن حاصل کرتا ہے ۔بنکوں کا موجودہ نظام اس کے اور اس کے بچوں کے منہ سے روزی کا آخری لقمہ بھی چھین لیتا ہے۔ اور وہ محنت کشوں کی بچائی ہوئی رقم دوبارہ سرمایہ دار کے حوالے کر دیتا ہے، جو اس کے ذریعے بڑی بڑی فیکٹریاں اور ادارے قائم کرکے۔ اسی کو لوٹنے کا ایک اور ذریعہ حاصل کرلیتا ہے۔ اس طرح بنکوں کا موجودہ نظام مکمل طور پر لوٹ کھسوٹ اور استحصالی نظام کے اس پروگرام کا حصہ ہے۔ جو یورپ کے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت (capitalism) کا ایک تحفہ ہے۔

لیکن دوسری جانب اس کی ضرورت و اہمیت اور اس کی افادیت و منفعت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ موجودہ نظامِ معیشت میں بنکوں کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، جس کے بغیر گذارہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور دنیا کا کوئی ملک اور کوئی ادارہ بھی ان کے بغیر کامیابی سے نہیں چل سکتا۔ اس لیے اس مسئلے کی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

بنکوں کے نظام کو" اسلامی خطوط " پر استوار کرنے کے تین راستے ہیں: ایک راستہ تو یہ ہے کہ موجودہ بنکوں کو قطعی طور پر سودی کاروبار سے روک دیا جائے، اور دوسرا راستہ یہ ہے۔ کہ غیر سودی کاروبار کرنے والے نئے بنک قائم کیے جائیں۔ اور ان کو سودی بنکوں کی موجودگی میں مسابقت کے ساتھ چلایا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے۔ کہ بنکوں کو سودی اور غیر سودی دونوں طرح کے کھاتے کھولنے کی اجازت دی جائے۔ تاکہ لوگ اپنی مرضی کے مطابق ان میں اپنی رقوم جمع کرا سکیں۔

ان میں سے دوسرا طریقہ اگرچہ موزوں ترین ہے۔ لیکن تکنیکی اعتبار سے اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ اب رہ دیکھے پہلا اور آخری طریقہ رہ جاتا ہے۔ ان میں سے مؤخر الذکر طریقہ جلد ناکام ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ اس لیے کہ بقول ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لوگوں کے لیے جب کوئی چور دروازہ (Black Market) باقی رہے گا۔ تو لوگ اسی کو ترجیح دیں گے۔ لہٰذا آزمائشی عرصہ گذارنے کے بعد۔ پہلا طریقہ ہی موزوں ترین ہوگا۔

اب ہم اس سلسلے میں پیش کی جانے والی تجاویز اور آراء پر نظر ڈالتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان پر شرعی اور فنی نقطۂ نظر سے کس حد تک عمل کرنا ممکن ہوگا۔

۱۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی تجاویز

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اپنی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام کی بدولت"، اسلام کے اقتصادی نظام پر لکھنے والوں میں اوّلیت کا شرف رکھتے ہیں، انہوں نے ۱۳۵۸/ ۱۹۳۹ء میں یہ کتاب لکھی۔ اس میں انہوں نے "بنک" کے عنوان سے جو بحث کی ہے۔ اس میں بنک کی قباحتیں اور اس کی برائیوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ جس میں آپ لکھتے ہیں:

"لیکن اس خوشنما رنگ وارن میں جو مار سیاہ پوشیدہ ہے اور ظاہر رنگین میں زہر قاتل مستور ہے۔ اگر اس کی تحلیل کی جائے، اور اس کو بے نقاب کیا جائے۔ تو یہ کہنا پڑے گا۔ کہ بنکوں کا وجود اس لیے ہے۔ کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کے سرمایہ پونجی میں بے پناہ اضافہ ہو، اور... دولت سمٹ سمٹ کر ایک مخصوص طبقہ میں محصور ہو جائے۔" (ص ۳۳۰)

مولانا نے۔ بنکوں کے موجودہ سودی نظام کی جگہ اجتماعی کمپنیوں کا نظریہ پیش کیا ہے۔ انکے خیال میں اگر امداد باہمی کے نام سے ایسی کمپنیاں قائم کر دی جائیں۔ جو مفید ہونے کے اعتبار سے وہی کام کریں۔ جو دورِ جدید میں کوآپریٹیو سوسائیٹیاں، کرتی ہیں، لیکن اس کے لین دین میں سود کو ہرگز دخل نہ ہو۔ اور اصل سرمایہ کو محفوظ رکھنے اور عملہ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے منافع کے جائز طریقے اپنائے جائیں۔ اس کے لیے، انہوں نے اس کے ممبر افراد پر ہلکے سے ٹیکس کی تجویز پیش کی ہے۔ اور اس کے لیے پہلے ان سے استصواب رائے کر لیا جائے۔ اور جائز طریقے سے نفع حاصل کرنے کے لیے سوسائٹی کی رقوم کو مضاربۃ، معاوضہ اور شرکت وغیرہ کے اصول پر، بہتر مدات میں سرمایہ کاری کی جائے۔" (۳۳۲ - ۳۴۰)

مولانا نے موجودہ بنک کاری کے متبادل کے طور پر جو نظریہ پیش کیا ہے، آئندہ اس موضوع پر لکھنے والوں نے زیادہ تر اسی کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور اسلامی بنک کی قریب قریب وہی ذمہ داریاں اور وہی حدود بیان کی ہیں۔ جو مولانا کی اس مختصر اور جامع تحریر سے نمایاں ہوتی ہیں۔

اسلامی بنکنگ کے لیے مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ العزیز کی تجاویز

مفتی محمد شفیع قدس سرہ نے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، میں اپنے مقالے "ربوا" میں اسلامی بنکنگ کے حق میں حسبِ ذیل مفید تجاویز دی ہیں! آپ لکھتے ہیں:

عہدِ حاضر کے علماء میں یہ سوال زیرِ بحث رہا ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت میں بنکنگ کا طریقِ کار کیا ہوگا؟ جب کہ آج کل بنکوں کا سارا نظام انٹرسٹ پر قائم ہے۔

اس سوال کے جواب میں اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ تفصیلی جزئیات سے قطع نظر اصولی طور پر غیر سودی بنک کاری کی جتنی تجویزیں اب تک سامنے آئی ہیں ان میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت میں بنک کاری ربا کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر قائم ہوگی، اس کی مختصر تشریح درج ذیل ہے:

ابتدا میں سرمایہ لگا کر جو لوگ بنک قائم کریں گے وہ حصّہ دار (SHARERS) کہلائیں گے پھر عوام کی جو جو امانتیں بنک میں جمع ہوں گی وہ دو قسموں پر مشتمل ہوں گی، ایک عند الطلب قرضے (CURRENT ACCOUNT) اور دوسرے مد مضاربت (FIXED DEPOSIT)۔ سیونگ اکاونٹ غیر سودی نظامِ بنکاری میں عند الطلب قرضوں کے اندر شامل ہو جائے گا۔

عند الطلب قرضوں میں تمام رقوم بنک کے پاس (فقہی نقطہ نظر سے) قرض ہوں گی کھاتہ دار ہر وقت بذریعہ چیک ان کی واپسی کا مطالبہ کر سکے گا اور ان پر کوئی منافع کھاتہ دار کو نہیں دیا جائے، موجودہ نظامِ بنکاری میں بھی اس مد پر کوئی خاص منافع نہیں دیا جاتا، البتہ مضاربت کے کھاتہ دار ایک معین مدت کے لیے، جو تین ماہ سے ایک سال تک ہو سکتی ہے، رقم رکھوائیں گے پھر اس رقم سے بنک جو منافع حاصل کرے گا اس میں متناسب طور سے (PROPORTIONATELY) شریک ہوں گے۔

سیونگ اکاونٹ کو عند الطلب قرضوں میں شامل کرنے پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس سے بچتیں بنک میں جمع کرنے کا محرک ختم ہو جائے گا، لیکن جدید تحقیقات کی رو سے سیونگ اکاونٹ کھلوانے کا اصل محرک بچت کا جذبہ ہوتا ہے، منافع کا جذبہ نہیں، اس لیے یہ تبدیلی کوئی عملی مشکل

پیدا نہیں کرے گی۔

عندالطلب قرضوں اور مضاربت کھاتہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقوم میں سے ایک حصہ بنک مد محفوظ (RESERVE) میں رکھ کر باقی سرمایہ کاروباری افراد کو شرکت یا مضاربت کے اصول پر دے گا۔ کاروباری افراد اس سرمائے کو صنعت یا تجارت میں لگا کر جو نفع حاصل کریں گے اس کا ایک طے شدہ متناسب حصّہ، مثلاً پچیس فی صد یا تینتیس فی صد بینک کو اصل رقم کے ساتھ ادا کریں گے اور بینک یہ منافع اپنے حصے داروں اور کھاتہ داروں کے درمیان طے شدہ متناسب حصّوں کی صورت میں تقسیم کریں گے، فرانس اور جرمنی میں بعض بینک شرکت کے اصول پر سرمایہ لگاتے رہتے ہیں، اسی اصول کو غیر سودی بینکاری میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ بینکوں کا ایک نہایت اہم عمل قصیر المیعاد (کم میعاد) قرضے جاری کرنا ہے۔ جس پر وہ مختصر شرح سے سود وصول کرتے ہیں، یہ قرضے چند ہفتوں، چند دنوں، بلکہ بعض صورتوں میں چند گھنٹوں کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں اور موجودہ صنعتی و تجارتی دور میں انکا حصول بہت اہمیت رکھتا ہے، انہیں قصیر المیعاد قرضوں کی ایک شکل ہنڈی بھنانا بھی ہے۔

ان قرضوں کی مدت اتنی مختصر ہوتی ہے کہ انھیں شرکت یا مضاربت کے اصول پر حاصل کرنا عملی پیچیدگیوں کا باعث بنے گا، اس لیے غیر سودی بینکاری میں یہ قرضے بلا سود جاری کیے جائیں گے، البتہ ان کے حساب و کتاب کے اخراجات کی تکمیل اس طرح کی جا سکتی ہے کہ ہر قرض کی درخواست کے لیے ایک فارم ہوگا جو قرض مانگنے والوں کو قیمتاً فراہم کیا جائے گا اور قیمت میں قرض کی مقدار کی کمی، زیادتی سے کوئی فرق نہ رکھا جائے گا، ہنڈیاں بھنانے والوں کی درخواستوں پر عام قرضوں کے مقابلے میں زیادہ فیس وصول کی جا سکتی ہے۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ بینک کے لیے غیر سودی قرض دینے کا محرک کیا ہوگا؟ اور وہ کس بنیاد پر رقم ایک قطعی غیر نفع بخش کام میں لگائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غیر سودی نظام بینکاری میں ہر بینک کو اس کی امانتوں کا اکثر حصّہ غیر سودی قرض کی صورت میں حاصل ہوگا، اس لیے کہ جدید بینکوں کا تجربہ یہ ہے کہ عندالطلب کھاتہ میں جمع کی جانے والی رقمیں بحیثیت مجموعی طویل المعیاد امانتوں (FIXED DEPOSITS) کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہیں، عموماً،

اوّل الذکر قیمیں اما نتوں کا ساٹھ فی صد اور مؤخر الذکر امانتوں کا چالیس فیصد ہوتی ہیں۔ ان ساٹھ فیصد رقوم کا ایک حصہ محفوظ (RESERVE) میں رکھ کر باقی تمام سرمائے کو بینک کے نفع بخش کاموں میں لگایا جا سکتا ہے، مرکزی بینک، عام بینکوں کو اس عظیم سہولت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت اسی صورت میں دے گا جب وہ خود قصیر المیعاد قرضے بلاسود جاری کرنے پر رضامند ہوں۔

مذکورہ طریق کار کے علاوہ غیر سودی نظام میں بینک اپنے وہ تمام وظائف بھی جاری رکھے گا جو وہ اجرت پر انجام دیتا ہے مثلاً مقفل صندوق (LOCKER) رکھنا، سفری چیک، بینک ڈرافٹ اور لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنا، تجارتی اموال کو بلٹی کے ذریعے منگوانا بیع وشراء کی دلالی کرنا اور کاروباری مشورہ دینا وغیرہ۔ ان تمام خدمات کو بدستور جاری رکھ کر ان پر اجرت وصول کی جائے گی۔

یہاں غیر سودی بینکاری کا انتہائی اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں ماخذ میں دی ہوئی کتابیں[1]

استدراک مفتی محمد قدس سرہٗ نے موجودہ بینک کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لیے جو تجاویز پیش کی ہیں، وہ انتہائی اہم، جامع اور مفید ہیں۔ البتہ چونکہ وہ ذاتی طور پر معاشیات کے ماہر نہیں تھے، اس لیے وہ اس موضوع زیادہ تفصیل بیان نہیں کر سکے۔ انہوں نے جب کہ اپنے مضمون کے آخر میں صراحت کی ہے۔ یہ مضمون زیادہ تر دوسرے ماہرین معیشت سے نقل کیا ہے۔

۳۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر محمد اکرم اور ملا حسین ملاٹھوی وغیرہم کی تجاویز

اوپر مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، اور مفتی محمد شفیع وغیرہم کے حوالے سے جن تجاویز کا ذکر آیا ہے۔ ہندوستان کے ایک معروف سکالر اور ماہر معیشت ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے اس پر "مبسوط" کتاب تیار کر کے۔ اسے جمتی اور بہتر صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس اعتبار سے ان کا کام بہت اہمیت اور افادیت کا حامل ہے۔

پاکستان کے متعدد ماہرین معیشت جن میں ڈاکٹر محمدؐ اکرم صاحب کا نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ ان تجاویز کو معیشت، مفید اور قابل عمل قرار دیا ہے، اور اپنی کتب میں

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۰: ۱۷۹، ۱۸۰۔

ان کے پیش کردہ خاکے کو پیش کیا ہے۔ اس لیے یہ خاکہ اب تک کیے جانے والے خاکوں میں سب سے بہتر اور مفید ہے۔ اسی لیے اگر آئندہ دور میں کبھی بھی صحیح اسلامی بنکاری کے قیام پر پیش رفت ہوئی، تو اس کے لیے اس خاکے کو اساس ٹھہرایا جائے گا۔

اس کا خلاصہ۔ ڈاکٹر محمد اکرم صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

۱۔ **بینک کا قیام**: غیر ربائی بینک کا قیام شرکت عنانؔ کی بنیاد پر وجود میں لایا جا سکتا ہے۔ دو یا دو سے زیادہ افراد کا کوئی کاروباری ادارہ غیر محدود ذمہ داری کی بنیاد پر غیر ربائی بنک قائم کر سکتا ہے۔ یہ حضرات اپنے ذاتی سرمائے کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی بینک میں حصہ دار بنا سکتے ہیں۔ نفع میں شرکت کی کوئی بھی نسبت طے کی جا سکتی ہے؛ البتہ سرمائے کی نسبت سے نقصان میں شرکت "شرط لازم" ہے۔ اس میں زیادہ اہم بات غیر محدود ذمہ داری کی ہے۔ شریعت میں شرکا کی ذمہ داری غیر محدود رکھی گئی ہے تاکہ باہر کے لوگوں کے مفاد کو ضرب نہ لگے[۲]۔ دور حاضر میں تمام بنکوں کی ذمہ داری محدود ہے۔ اسلامی ریاست میں محدود ذمہ داری کی بنیاد پر بینک کے قیام کے لیے لازم ہوگا کہ فقہا کا اس پر اجماع ہو، لہٰذا اس مسئلے پر مزید غور وخوض کی ضرورت ہے[۳]۔

لہ اسلام میں جن طریقوں سے کاروبار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان میں "شرکت" کا طریقہ بھی شامل ہے۔ شرکت، کی تین اقسام ہیں، جن میں سے ڈاکٹر صاحب نے "شرکت عنان" کا ذکر کیا ہے جس کی رُو سے دو یا دو سے زیادہ افراد باہم مشترکہ طور پر کوئی کاروبار شروع کرنے کے لیے سرمایہ جمع کرتے ہیں، اور اس میں ایک خاص تناسب یا شرح سے وہ کاروبار کے منافع میں شریک ہوتے ہیں۔

۲ نجات اللہ صدیقی: غیر سودی بنک کاری، لاہور، ص ۱۵ - ۱۹۔

۳ یہ تجویز ڈاکٹر محمد اکرم کی ہے۔ تاہم بینک کے حصہ داروں کی محدود یا لا محدود ذمہ داری کا مسئلہ غور طلب ہے۔ اس لیے کہ عصر حاضر میں ہر ادارہ "محدود ذمہ داریوں" کے ساتھ چلایا جا رہا ہے اور اگر "شرائط معاہدہ" میں محدود ذمہ داریوں کی تحدید کر دی جائے، تو حدیث "المسلمون عند شرطھم"، کے تحت شرعی نقطۂ نگاہ سے اس کی اجازت ہے۔

۲۔ **بینک کا کاروبار**: غیر ربائی بینک مندرجہ ذیل اقسام کے کاروبار کرے گا:
ا،۔ کمیشن دے کر انجام دی جانے والی خدمات: ایک جگہ سے دوسری جگہ رقوم/مال کی منتقلی لاکرز کی فراہمی، ٹریولرز چیک، گاہکوں کے بلوں کی ادائیاں، بلٹیاں چھڑانا، مالیاتی امور میں مشورے دینا اور گاہکوں کے حصص کی خرید و فروخت وغیرہ شامل ہیں یہ خدمات "ربائی بنکاری" میں بھی بنک کمیشن پر انجام دیتے ہیں۔ "غیر ربائی نظام" میں یہ خدمات انجام دینا شریعت کے کسی ضابطے کے خلاف نہیں ہوگا۔ لہٰذا ان مفید امور کو غیر ربائی بینک بھی ادا کر سکے گا۔

●:۔ شرکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری: غیر ربائی بینک کاروباری حضرات کو شرکت کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کر سکتا ہے۔ ان کے ساتھ نفع و نقصان میں شرکت کی نسبت پہلے سے طے کی جا سکتی ہے۔ لیکن چونکہ بینک اپنے امانتداروں کی رقم کو سرمایہ کاری کے لیے دے گا، لہذا یہ ضروری ہے کہ معاہدہ شرکت میں بینک کی ذمہ داری صرف اس سرمائے تک محدود ہو، جو وہ سرمایہ کاری کے لیے دے۔ یہ بات بینک کا اعتبار قائم رکھنے کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ بینک اپنے سرمائے کی حفاظت کے لیے اگر چاہے تو کاروبار کے انتظامی امور میں دخل دینے کا متعین حق معاہدے میں طے کر سکتا ہے، لیکن عملاً بینک کا ایسا دخل بہت زیادہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے بینک کے اصل کاروبار میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ آج کل کے تجارتی بینک کسی کاروبار میں شرکت کے اصول پر کوئی سرمایہ کاری نہیں کرتے، لہٰذا ان کا دائرہ عمل عام طور پر ابتدائی چھان بین تک محدود رہتا ہے اور ایک دفعہ قرض دینے کے بعد انہیں کاروبار کے معاملات میں نگرانی کا کوئی حق نہیں رہتا۔ اس کے برعکس غیر ربائی بینک کو کسی حد تک اس نگرانی کا اہتمام کرنا ہوگا۔ اس لیے ان کو لازماً ایسا عملہ ہمہ وقتی بنیادوں پر رکھنا ہوگا جو انتظامی امور میں مہارت رکھتا ہو۔ یہ بات تو واضح ہے کہ بینک اس طرح کی سرمایہ کاری بہت چھوٹے پیمانے کے کاروباروں میں نہیں کر سکتا بلکہ بڑی سرمایہ کاری کے منصوبوں میں شرکت کی بنیاد پر کاروبار کے لیے مخصوص بینک وجود میں آئیں اور عام تجارتی بینک روزمرہ تجارتی ضروریات کے لیے کام کرتے رہیں[1]

---

[1] غیر سودی بنکاری، ص ۲۴ - ۲۸

۴۔ مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری: بینک شرکت کے علاوہ مضاربت کی بنیادوں پر بھی سرمایہ کاری کر سکتا ہے۔ مضاربت کے معاہدے میں بینک رب المال (سرمایہ کار) ہوگا اور کاروباری شخص مُضَارِب[1] بینک کے سرمائے سے مضارب کاروبار کرے گا۔ نفع میں فریقین ایک مقررہ نسبت سے شریک ہوں گے، لیکن نقصان کی صورت میں نقصان صرف بینک کا ہوگا اور مضارب کا نقصان یہ ہوگا کہ اس کی ساری محنت ضائع گئی۔ بینک اور مضارب نفع کی شرح متعین کرنے میں بالکل آزاد ہوں گے۔ لیکن عملاً اسلامی معیشت میں طلب اور رسد کی قوتوں کے عمل سے ایک رائج شرح (RATEMRKET) وجود میں آجائے گی اور بینک اس رائج شرح پر کاروبار کرے گا۔ اس شرح کو مرکزی بنک بھی متعین کر سکتا ہے اور مختلف کاروباروں کے لیے یہ شرح مختلف بھی ہو سکتی ہے۔

مضارب کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ بینک کے سرمائے کے علاوہ اپنے سرمائے کو بھی کاروبار میں لگا سکے۔ اس صورت میں تمام نفع کو سرمائے کی بنیاد پر دو حصّوں میں بانٹا جائے گا پھر اس نفع کو جو بینک کے سرمائے پر ہو، بینک اور مضارب آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ یہی معاملہ اُس سرمائے کے ساتھ بھی ہوگا جو مضارب کسی دوسرے ذریعے سے قرض حسنہ یا مضاربت یا شرکت کی بنیاد پر حاصل کرے۔ ان سب صورتوں میں بینک کے نقطۂ نظر سے اس کے سرمائے کے علاوہ باقی تمام سرمایہ مضارب کا شمار ہوگا، خواہ اس نے اسے کسی بھی ذریعے سے حاصل کیا ہو۔ یہ مضارب کا اپنا ذاتی معاملہ ہے کہ وہ دوسرے فریقین سے نفع کی تقسیم کا کیا فارمولہ طے کرتا ہے۔ اگر مضاربت کے معاہدے میں مضارب کسی چالو کاروبار کا مالک ہو تو بینک کی سرمایہ کاری کے وقت اس کاروبار کی مالیت کا اندازہ لگانا ضروری ہوگا کیونکہ اس کے بغیر بینک اور کاروبار کے باہمی تناسب کا پتا نہیں چل سکتا اور یہ ایک مشکل امر ہے۔ اگرچہ اس کا عمومی قاعدہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ کاروبار کے تمام اثاثوں کی قیمت میں سے اس کی واجبات منہا کر دی جائیں، لیکن اصل دشواری یہ ہے کہ اثاثوں کی قیمت کس بنیاد پر لگائی جائے؟ کیا یہ قیمت اثاثوں کی اصل قیمت

---

[1] یہ دونوں اصطلاحیں فقہی ہیں "مضاربۃ" میں دو فریق باہم کہ کاروبار کرتے ہیں: ایک شخص سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ اُسے رب المال کہتے ہیں جبکہ دوسرا شخص کاروبار کرتا ہے۔ اسے مضارب کہتے ہیں

منفی فرسودگی ہو، یا وہ جو انھیں بیچنے کی صورت میں اس وقت مارکیٹ میں مل سکتی ہے (یعنی MARKET VALUE) یا وہ جو انہیں اس حالت میں بازار سے خریدتے وقت لگے (یعنی Replacement) - یہ بہت ہی مشکل سوالات ہیں اور ان کا کوئی حتمی جواب نہیں دیا جا سکتا ہو سکتا ہے کہ قانونی طور پر مختلف قسم کے کاروباروں کے لیے مختلف بنیادیں رکھ دی جائیں۔ اس کے لیے اجتہاد کی بھی ضرورت ہوگی اور قانون کی بھی۔

ایک مسئلہ مضاربت کے معاہدے کی مدت کا ہے - اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہر معاہدہ مضاربت میں اس کی مدت کا تعین اور اس مدت کے خاتمے پر نفع ونقصان کا فیصلہ کر لیا جائے۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ صرف عام کے طور پر سال کو دو یا تین یا چار حصّوں میں بانٹ لیا جائے اور عام طور پر، مضاربت ۶، ۳، یا ۴ ماہ کی مدت کے لیے ہو، جس کے خاتمے پر فریقین چاہیں تو اسی مدت کے لیے اس کو مزید بڑھا سکیں۔ مختلف کاروباروں کے لیے یہ مدت مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ اصل میں اہم بات نفع ونقصان میں تعین کی سہولت ہے۔

● - مشترکہ سرمائے کی کمپنی میں سرمایہ کاری : بینک اپنے سرمائے کو مشترکہ سرمائے کی کمپنیوں کے حصص خریدنے میں لگا سکتا ہے - اس کے علاوہ بینک حکومت کے شرکت حصص یا مضاربت حصص میں اپنا سرمایہ لگا سکتا ہے، جو حکومت مختلف منصوبوں کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کی غرض سے جاری کرے گی اور جو آج کل کے ربائی بلوں (INTEREST BEARING BILLS) کا بدل ہوگا - اسلامی معیشت میں سٹاک ایکسچینج کے پورے کاروبار کو بھی شریعت کی روشنی میں استوار کیا جائے گا تاکہ اس میں سٹہ، ربوٰا اور دیگر کاروباری مفاسد کا خاتمہ ہو سکے۔

● - قرض حسنہ : نفع بخش کاموں میں روپیہ لگانے کے علاوہ غیر ربائی بینک کی ایک اہم ذمہ داری اپنے گاہکوں کو قرض حسنہ کی سہولتیں فراہم کرنا ہے - قرض حسنہ کی یہ سہولت صرف ان مواقع کے لیے ہے جن میں بینک کے لیے مضاربت یا شرکت کا کوئی معاہدہ کرنا ممکن نہیں اور لامحالہ یہ مواقع بہت ہی تھوڑے عرصے کے لیے درکار رقوم تک محدود ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی کاروبار کو ایک دن، ایک ہفتہ، یا ایک ماہ کے لیے بھی کوئی رقم درکار ہو

تو یہ بینک ہی کے لیے مفید ہے کہ کسی ایسے کاروبار میں مضاربت یا شرکت کا پیمان کرے جس کے معاملات میں اس کا دخل صرف چند دنوں کے لیے ہو اور نہ کاروباری حضرات کے لیے یہ کوئی سود مند صورت ہے کہ وہ اتنے قلیل عرصے کے لیے بینک کو شریک یا رب المال بنا لیں۔ ایسی صورتوں میں وہ بنک سے قرض حسنہ کی درخواست ہی کر سکتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بینک ایسے مواقع پر قرض حسنہ دینے کے لیے سرمایہ کن ذرائع سے حاصل کرے گا؟ ہمارے خیال میں، بینک کے کھاتہ داروں میں ایک طبقہ ہمیشہ ایسے لوگوں کا موجود رہے گا، جو شرکت و مضاربت کی بنیاد پر کوئی سرمایہ بینک کے حوالے کر کے کسی نقصان کا خطرہ مول لینا نہ چاہیں گے۔ ایسے لوگ اپنا سرمایہ بچت کھاتوں میں بینک کے پاس قرض حسنہ کے طور پر رکھ دیں گے۔ چونکہ یہ لوگ اپنے سرمائے کا ایک کثیر حصّہ کبھی بینک سے نہیں نکلواتے، لہٰذا بنک کے لیے ممکن ہوگا کہ روز مرہ ضروریات کے لیے ایک قلیل حصّہ نقد کی صورت میں رکھیں اور باقی سرمائے کو اپنے تصرف میں لے آئیں۔ مرکزی بینک کی طرف سے یہ لازم کیا جائے گا کہ بینک بچت کھاتوں کا ایک حصہ (مثلاً ۱۰ فیصد) نقد رکھیں، دوسرا حصّہ (مثلاً ۵۰ فیصد) قرض حسنہ کی سہولتیں دینے کے لیے رکھیں اور باقی (مثلاً ۴۰ فیصد) کو مضاربت یا شرکت کی بنیاد پر منفعت بخش کاروبار میں لگائیں۔ مرکزی بینک کی طرف سے تناسب معیشت میں زر کی طلب و رسد کے پیش نظر وقتاً فوقتاً بدلا جاتا رہے گا۔

اس بات کا امکان ہے کہ چونکہ قرض حسنہ کی کوئی لاگت نہیں، لہٰذا کاروباری حضرات بہت بڑی تعداد میں قرض حسنہ لینے کی طرف رجوع کریں۔ اس طرح بینک میں ایسی درخواستوں کا بے پناہ ہجوم ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں بینک کو اختیار ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں ان لوگوں کو ترجیح دیں جن کے ساتھ ان کے کاروباری روابط زیادہ ہیں۔ اسی طرح بینک کوئی اور معیار بھی مقرر کر سکتا ہے، جس پر درخواستوں کو رد یا قبول کیا جائے۔

یہاں بجا طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ خود بینک کے لیے قرض حسنہ دینے کی کیا ترغیب ہے؟ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور موثر ثابت ہوں گے:

۱۔ مرکزی بینک کی طرف سے ضابطہ طے کیا جائے کہ ہر بینک بچت کھاتوں کا ایک حصّہ قرض حسنہ کے لیے وقف کرے اور باقی کو (نقد ریزرو کے بعد) مضاربت یا شرکت کی بنیاد

پر کسی نفع بخش کاروبار میں لگائے۔ بینک کو لوگوں کے سرمائے سے نفع کمانے کی یہ سہولت اس شرط پر دی جا سکتی ہے کہ بینک خود بھی قرض حسنہ کی سہولت کے لیے کچھ سرمایہ فارغ رکھے۔ اگر کوئی بینک قرض حسنہ کی مقدار میں کمی کرے، یا بالکل بند کر دے تو مرکزی بینک اسی تناسب سے اسے بچت کھاتوں میں رقوم رکھنے کے حق سے محروم کر سکتا ہے۔

۔ مرکزی بینک اپنے تاریخی کردار "آخری وائن (ndero/The last resort) اور بینکوں کے بینک" کے تحت تجارتی بینکوں کو قرض حسنہ کی سہولت دے گا۔ مرکزی بینک کیطرف سے تجارتی بینکوں کو قرض حسنہ کی یہ سہولت لی مقدار پر سے مشروط اور معلق ہو گی جو تجارتی بینک عام لوگوں کو قرض حسنہ کے طور پر دیں گے۔ اگر کوئی بینک اپنی کیفیت نقدی (Liquidity position.) کو بہتر بنانا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہی مناسب ہوگا کہ وہ مرکزی بینک کی سہولت قرض حسنہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

۳۔ اسی طرح خود بینک کے کاروبار کے نقطہ نظر سے گاہکوں کو قرض حسنہ کی سہولت فراہم کرنا اس کی ساکھ قائم کرنے کے لیے بھی موزوں ہوگا۔ بینکوں میں باہمی مسابقت کے لیے بھی قرض حسنہ کی سہولت ایک عامل کے طور پر کام کر سکتی ہے لے

"قرض حسنہ" پر ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی اور ڈاکٹر محمد اکرام صاحب کی مذکورہ تصریحات پر یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے، کہ قرض حسنہ کے لیے حضرت عمر فاروقؓ کے طرز عمل سے استفادہ کیا جا سکتا ہے مؤرخین نے صراحت کی ہے، کہ یہ عہد فاروقی میں "بیت المال" کا ایک حصہ قرض حسنہ کے لیے مخصوص تھا۔ جس میں سے دو طرح کے قرض جاری کیے جاتے تھے: ذاتی ضروریات کے لیے، مکان تعمیر مکان، مرمت، بیاہ شادی وغیرہ ۔ یہ قرض حسنہ" محدود مدت کے لیے جاری کیا جاتا تھا۔ قرض کی دوسری صورت یہ تھی۔ کہ تجارت کے لیے قرض جاری کیا جاتا تھا اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق کی حکمت عملی یہ تھی، کہ تاجر کو" قرض " نفع و نقصان کی بنیادی پر جاری کیا جاتا تھا۔ اور اس میں جو منافع ہوتا، اس میں سے نصف بیت المال کا اور نصف قرض لینے والے کا۔" (ڈاکٹر محمد حمید اللہ : مقالہ عمر، در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ)۔

لہٰذا عہد جدید میں بھی اس کو محدود کیا جا سکتا ہے، رہا یہ مسئلہ کہ تاجر حضرات کو مختصر مدت کے لیے نفع و نقصان کی بنیاد پر قرض جاری کیا جا سکتا، تو ہمارے خیال میں یہ رائے درست نہیں ہے، اکثر کاروباری حضرات مختصر مدت کے لیے بھی قرض بربنائے نفع و نقصان میں شرکت اگر لینا پسند کریں گے۔

بینک کے وسائل سرمایہ: جس سے وہ بینک اپنے کاروبار کے لیے مندرجہ ذیل ذرائع سے سرمایہ فراہم کرے گا۔

(۱) شرکائے بینک کا اپنا سرمایہ: جس سے وہ بینک کا آغاز کریں گے،

(۲) مضاربت کے کھاتے: بینک کا دوسرا اہم ذریعہ مضاربت کے کھاتہ داروں کا سرمایہ ہوگا۔ کھاتے مضاربت کے اصول پر کھولے جائیں گے۔ ان کی کم سے کم مدت تین ماہ یا چھ ماہ رکھی جائے گی۔ مدت معاہدہ ختم ہونے سے قبل رقم بینک سے واپس نہیں لی جا سکے گی۔ کھاتہ دار اور بینک کی حیثیت مضاربت اور رب المال کی ہوگی۔ بینک اپنے تمام منافع میں سے مضارب کھاتہ داروں کے کل سرمائے پر منافع کا حساب لگائے گا اور اس میں ہر کھاتہ دار اس کو کے سرمائے کے تناسب سے شریک کرے گا لیکن بینک کو نقصان کی صورت میں یہ نقصان کھاتہ داروں کا ہوگا، جو ان کے سرمائے کے تناسب سے وضع کیا جائے گا۔

(۳) بچت کھاتے: بینک کا تیسرا اہم ذریعہ بچت کھاتوں میں رکھی ہوئی رقوم ہوں گی یہ بچت کھاتے ان لوگوں کے ہوں گے جو بینک سے مضاربت کرکے کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے اور ہر وقت اپنے پیسے کو نکلوانے کی آزادی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا پیسہ بینک کے پاس قرض حسنہ کے طور پر ہوگا۔ بینک ان کے سرمائے کا ایک حصہ مزید قرض حسنہ کے لیے رکھ کر باقی کو نفع بخش کاموں میں لگانے کا مجاز ہوگا۔ بینک کو ایسے کھاتوں پر کسی قسم کی اجرت یا محنتانہ وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ وہ ان رقوم کے ایک حصے کو نفع بخش کاموں میں لگا رہا ہوگا۔

(۴) تخلیق زر: بینک اپنی ساکھ کے اعتبار پر تخلیق زر کا رائج الوقت عمل بھی کرے گا۔ موجودہ زمانے میں بینک اعتبار کی بنا پر اپنے نقد اثاثوں سے کئی گنا زیادہ رقوم ربا پر قرض دے

دیتے ہیں۔ اصل میں تخلیق زر کا یہ عمل رلؤ کا مرہون منت نہیں بلکہ اس کی اصل لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ سب کے سب اپنا سارا روپیہ یکبشت نہیں نکلواتے اور ان کا یہ یقین ہے بینک کے پاس ان کا پیسہ محفوظ ہے اور وہ اسے ہر وقت لے سکتے ہیں۔ یہ اعتبار بینکاری کی جان ہے۔ اس کے بغیر موجودہ دور میں ربائی بینک بھی نہیں چل سکتے۔ غیر ربائی بینک کے لیے بھی ایسا اعتبار قائم لازم ہوگا، لہٰذا غیر ربائی بینک بھی تخلیق زر کا عمل جاری کر سکے گا اور اس سے اپنے وسائل میں اضافہ کر سکے گا[1]

---

[1] استدراک: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی کی مذکورہ رائے محل نظر ہے۔ اس لیے کہ شرعی نقطۂ نگاہ سے، زیر نظر صورت میں بینک کی حیثیت محض ایک "امانتدار" (مودع الیہ) کی ہوگی، اس لیے کہ یہ لوگ (ا) نہ تو بینک کے لیے "رب المال" ہیں اور (ب) نہ ہی اس کے ذریعے سرمایہ کاری کرنے والے۔ یہ لوگ تو بینک کے ذریعے محض اپنی رقوم کی حفاظت چاہتے ہیں۔ اس لیے جب تک ان کے سرمائے سے مذکورہ بالا کاروبار کرنے، یا ان کی رقوم کو، قرض حسنہ یہ دیتے کی اجازت نہ لے لی جائے، اس وقت تک بینک کے لیے اس تصرف کی شرعاً اجازت نہیں ہے، جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں کتاب الودیعہ کے تحت ایسی ہی تصریحات ملتی ہیں، لہٰذا اس صورت میں بینک کے سامنے دو راستے ہوں گے۔

ا۔ یا تو وہ اپنی ذمہ داری پر، کھاتہ داروں سے انکی رقوم منفعت بخش کاروبار میں لگانے کی اجازت لے لے۔ تو ایسی صورت میں وہ انکے سرمائے سے کاروبار کر سکتا ہے، لیکن عند الطلب یا میعاد گذرنے پر انکا سرمایہ واپس کرنا بینک کی ذمہ داری ہوگی۔ اس صورت میں بینک کی حقیقت ایک "قرض خواہ" کی اور "کھاتہ دار کی حقیقت "مقروض" (قرض دھندہ) کی ہوگی۔

ب۔ اور اگر کوئی کھاتہ دار اپنا سرمایہ بینک کی ذمہ داری پر نہیں دیتا، بلکہ بینک کے پاس امانت رکھواتا ہے۔ تو ایسی صورت میں بینک اسکے کھاتے میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ اور ایسے کھاتہ دار سے اس کی رقوم کی حفاظت وصیانت کے عوض "حفاظتی رقم" لینے کا مجاز ہوگا۔ اور نقصان کی صورت میں ذمہ داری خود کھاتہ دار کی ہوگی، بینک کی نہیں، ایسے کھاتہ دار کی رقم بینک اپنے استعمال میں نہیں لا سکتا۔

کھاتہ دار سے اگر حفاظت کے لیے کچھ معاوضہ وصول کیا جائے، تو اس سے اسکو مضاربت یا شراکت کے کھاتوں میں رقوم جمع کرانے کی ترغیب ملے گی۔

۴ - مرکزی بینک : اسلامی ریاست میں تجارتی بینکوں کے ساتھ مرکزی بینک کا قیام بھی لازم ہوگا بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مرکزی بینک کے کنٹرول اور رہنمائی کے بغیر تجارتی بینک کا کامیابی سے چلنا ناممکن ہے۔ اسلامی ریاست کا مرکزی بینک قریب قریب وہ تمام وظائف انجام دے گا جو کہ موجودہ دور کے مرکزی بینک انجام دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ معیشت میں قانون زر کی تخلیق کا واحد اجارہ دار ہوگا، یہ بینکوں کا بینک ہوگا جس میں تمام بینک اپنے کھاتے کھولیں گے۔ یہ بینکوں کی آپس کی حسب فہمی کے لیے "کلیرنگ ہاؤس" (Clearning House) کا کام دے گا، یہ بینکوں کے لیے "آخری دائن" کے فرائض انجام دے گا، یہ ریاست کے ترقیاتی کاموں کے لیے سرمائے کی فراہمی کا اہم ذریعہ ہوگا اور معیشت میں زر اور اعتبار کی رسد کو کنٹرول کرے گا۔ ان میں سے تقریباً تمام وظائف ایسے ہیں جو موجودہ دور میں صرف ربٰو کی شرح کو گھٹا بڑھا کے عمل میں آتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر ربائی مرکزی بینک اس اہم فریضے سے کیسے عہدہ برآ ہوگا؟ ذیل میں ہم ان اقدامات کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذریعے غیر ربائی مرکزی بینک معیشت میں زر اور اعتبار کی رسد کو مطلوبہ پیمانے پر رکھ سکتا ہے:

۱ - شرکت یا مضاربت حصص کی خرید و فروخت ؛
۲ - بینکوں کے نقد سرمائے کی شرح میں تبدیلی ؛
۳ - بینکوں کے مرکزی بینک میں محفوظ سرمائے کی شرح میں تبدیلی ؛
۴ - بچت کھاتوں میں نقد قرض حسنہ کے لیے سرمائے اور مضاربت کے لیے سرمائے کے لیے تناسب رد و بدل ؛
۵ - مرکزی بینک کی طرف سے تجارتی بینکوں کو ان کے قرض حسنہ کی بنیاد پر مزید قرض حسنہ دینے کی شرح میں تبدیلی ؛
۶ - آخر دائن کی حیثیت سے تجارتی بینکوں کو قرض کی سہولتوں میں کمی بیشی ؛
۷ - مضاربت کھاتہ دار اور تجارتی بینک کے درمیان شرح مضاربت میں تبدیلی ؛
۸ - تجارتی بینک اور کاروباری حضرات کے درمیان شرح مضاربت میں تبدیلی ؛

۹ ۔ اخلاقی ترغیب ؛

۱۰ ۔ راست اقدام ؛

۔ غیر ربائی بینکاری کے چند اہم مسائل : غیر ربائی بینکاری کا جو اجمالی خاکہ اوپر پیش کیا گیا ہے اس پر بہت سے سوالات وارد کیے جا سکتے ہیں ۔ ذیل میں ہم ان سوالات پر بحث کریں گے اور کچھ تجاویز پیش کریں گے ، جن پر مزید گفت و شنید کی ضرورت ہے ۔

۱ ۔ موجودہ معیار دیانت اور نفع و نقصان کی تقسیم : غیر ربائی بینکاری پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ موجودہ معیار دیانت کے ساتھ اگر کوئی بینک لوگوں سے شرکت و مضاربت کی بنا پر مالی بینک لوگوں سے شرکت و مضاربت کی بنا پر مالی لین دین کرے کا تو ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوگی جو دیانتداری سے اپنے حسابات کا انکشاف کریں گے اور زیادہ لوگوں کی خواہش ہوگی کہ وہ اپنے اصل منافع کو چھپالیں ۔

اس میں شک نہیں کہ یہ اعتراض عملی دنیا کے مشاہدے پر مبنی ہے اور اگر کوئی ایسا انتظام نہ کیا جائے جو لوگوں کو دیانت پر پابند کرے تو بینک کی کارکردگی خطرناک حد تک متاثر ہو سکتی ہے ۔ اس کا اصل حل تو لمبے عرصے کی منصوبہ بندی کے ذریعے لوگوں کی ذہنی تربیت اور ایمانی حالت کا ارتقا ہے ، لیکن اس نصب العین کے حصول تک کے درمیانی عرصے کے لیے مندرجہ ذیل تجویز پر غور کیا جا سکتا ہے ۔

حکومت تمام تجارتی شعبوں کے لیے ایسے معاشرتی مطالعے اور تجزیے کا مستقل بندوبست کرے جو کہ مارکیٹ کے اتار چڑھاو بین الاقوامی تجارت ، ملکی پیداوار ، مزدوروں کی کارکردگی اور لاگت پیدائش جیسے عوامل و عناصر کو پیش نظر رکھ کر تمام کاروباروں کے متعلق رپورٹیں شائع کرنے کا ایک سلسلہ شروع کرے ۔ یہ رپورٹیں ہفتہ وار ، پندرہ روزہ یا ماہوار ہونی چاہیں اور انکے ذریعے کاروبار میں اوسط منافع کی شرح کا معیار مقرر کر دیا جائے ، جو ہر اعتبار سے ایک معتدل معیار ہونا چاہیے ، یعنی یہ نہ تو ایک بہت زیادہ مستعد آجر کا معیار ہو اور نہ ایک تن آسان اور بگڑے ہوئے آجر کا ۔ اس شرح کو متعین کرتے وقت حکومت کم سے کم معیار نگرانی (MINIMUM VIGILANCE) کے اصول پر کام کرے ، یعنی ہر کاروباری کے لیے لازم ہو کہ وہ بینک کے سرمائے پر کم سے کم معیار

کے مطابق نگرانی کرے اور اسے ضائع نہ کرے۔ یہ کم سے کم معیار کھلے طور پر شائع کیا جا سکتا ہے، جس میں ہر آجر کے لیے مختلف مواقع میں جب کم سے کم کاروباری صلاحیت کی ضرورت ہے، اسے بیان کیا جا سکتا ہے۔

بینک کے سرمائے کی واپسی کے وقت جو آجر اس اوسط منافع کی شرح سے کم شرح کا اعلان کرے اس کے حسابات کی تفصیلی چھان بین بینک کا فنی عملہ کرے۔ اگر پڑتال کے دوران پتا چلے کہ آجر نے بینک کے سرمائے پر کم سے کم نگرانی کا اصول استعمال نہیں کیا، تو بینک اس کا اعلان کردہ منافع کو قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ جھگڑے کی صورت میں ثالثی عدالتوں میں مقدمہ لے جایا جا سکتا ہے۔

اگر یہ ثابت ہو کہ منافع تو اصل میں اتنا ہی ہے جتنا کہ کاروباری ظاہر کر رہا ہے (یعنی وہ اخفا سے کام نہیں لے رہا) تو بینک کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ وہ اس ظاہر کردہ نفع میں سے بھی اپنا حصہ قبول کرے، لیکن آئندہ کے لیے بینک ایسے کاروباری کو سرمایہ فراہم کرنے پر پابندی لگا سکتا ہے۔ ایسے کاروباریوں کے نام بھی بینکوں کے گزٹ میں شائع کیے جا سکتے ہیں تاکہ دوسرے بینک ان سے ہوشیار رہیں۔

اسی طرح اگر کوئی کاروباری بینک کے سرمائے پر نقصان ظاہر کرے تو بھی بینک کو اختیار ہوگا کہ حسابات کی تفصیلی پڑتال کرائے۔ پڑتال کے دوران میں اگر کسی بددیانتی اخفا یا عدم خلوص کا ثبوت مل جائے تو بینک کو اختیار ہوگا کہ وہ کاروباری کے ظاہر کردہ حسابات کو ماننے سے انکار کر دے۔ اس صورت میں سارا نقصان اس کاروباری کو برداشت کرنا پڑے گا۔

بددیانتی، حسابات میں گڑبڑ، مال کے ضیاع کی دانستہ کوشش، وغیرہ اقدامات کو قانوناً سخت سزا کا مستوجب بھی قرار دیا جا سکتا ہے تاکہ لوگ ان کی طرف راغب نہ ہوں۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ جن صورتوں میں کسی کاروباری کے حسابات کے پڑتال کی ضرورت آئے گی وہ حسابات اس کاروباری شخص کے اخراجات پر جانچے جائیں گے تاکہ بینک کے اخراجات بھی کم سے کم رہیں اور لوگ بھی اس پوچھ سے بچنے کے لیے حسابات میں گڑبڑ نہ کریں۔

۲۔ بچت کی رسد: غیر ربائی بینک پر یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ ربو نہ ملنے کی صورت

میں لوگ بینک میں اپنی بچتیں نہیں رکھا کریں گے کیونکہ اب ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہے گا کہ وہ یا تو انہیں بچت کھاتے میں رکھیں اور کوئی ربٰو نہ کمائیں یا پھر مضاربت کی بنیاد پر رکھیں اور نقصان کا خطرہ مول لیں اور ہر وقت رقم نکلوانے کی سہولت سے دستکش ہو جائیں۔ لہٰذا عام لوگ بینک میں اپنی بچتوں کو رکھنے سے احتراز کریں گے۔

دراصل یہ خطرہ پے در پے غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ اول تو یہ بات ہی طے نہیں کہ لوگ بچت ربٰو کمانے کے لیے کرتے ہیں۔ بچت کے بہت سے محرکات ہیں، جن میں سے ربٰو صرف ایک ہے بلکہ خود مغربی معاشرے میں جمع کیے گئے اعداد و شمار کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ شرح سود میں تبدیلی سے بچتوں کے معیار پر کوئی قابل لحاظ اثر نہیں پڑتا[1]

دوم اگر کسی معیشت میں ربٰو کے تمام راستے بند ہو جائیں تو اس جدید دور میں لوگ اپنی بچتوں کا کیا کریں گے؟ ان کے لیے تین ہی راستے کھلے ہیں: یا وہ کاروبار کرلیں، یا انہیں مضاربت یا شرکت کی بنیاد پر بینک کو دے دیں، یا پھر بینک میں امانت قرض حسنہ کے طور پر رکھ دیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن نہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس دور میں کوئی شخص اپنی بچت کو گھر میں گڑھا کھود کر اس میں دبا دے گا، خاص طور پر ایک اسلامی معیشت میں، جہاں کاروبار کی بہت ترغیب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اپنا سرمایہ کاروبار میں لگانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

● ۔ ہنڈیوں میں کٹوتی: واجب الوصول ہنڈیوں میں رائج الوقت کٹوتی صریحاً ربٰو ہے۔ ایک غیر رباٸی بینک اس معاملے میں کیا رویہ اختیار کرے گا؟ کیا وہ ہنڈیوں کو بھنانے کا دستور ہی رائج نہ کرے گا۔ یا ان کو پوری رقم پر (بغیر کٹوتی کے یا قرض حسنہ کے طور پر) بھنایا جا سکے گا؟ اگر یہ قرض حسنہ ہے تو کیا بینک ان تمام مطالبات سے عہدہ برا ہو سکے گا جو اس سلسلے میں اس کے گاہکوں کی طرف سے اس پر کیے جائیں گے۔

اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے، یعنی بینک اس کو ایک خدمت خلق

---

[1] زر اور اعتبار کمیشن رپورٹ، نیویارک ۱۹۶۱ء، ۱۳۰ تا ۲۱، نیز ریڈکلف کمیٹی رپورٹ مطبوعہ لندن ص ۵۶

سمجھ کر قرض حسنہ کے طور پر پوری رقم کے عوض بھنانے کا بندوبست کرے گا، لیکن معاشی نقطہ نظر سے یہ بات زیادہ دل کو نہیں لگتی، لہٰذا ایک دوسری تجویز یہ ہے کہ بینک واجب الوصول ہنڈیوں کو بھنانے کا انتظام کریں اور اس میں جو کٹوتی مقررہ شرح سے کی جائے وہ بینک کے لیے قرض حسنہ کے طور پر ہو اور بینک لے اس تناسب سے استعمال کرے جس تناسب سے اس نے کسی گاہک کو ہنڈی کے ذریعہ مالی مدد دی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کٹوتی کا نرخ دس فیصد ہے اور ایک ہنڈی برائے ۱۰۰۰ روپے تین ماہ کے بعد واجب الوصول ہے تو بینک آج ۹۰۰ روپے نقد ادا کرے" جو کہ گھر یا بینک کی طرف سے اس شخص کو تین ماہ کے لیے قرض حسنہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اس حسن سلوک کے جواب میں وہ شخص بینک کو ۱۰۰۰ روپے ۲.۷ ماہ ($\frac{۹۰۰ \times ۳}{۱۰۰۰}$) تک کے لیے قرض حسنہ کے طور پر دے، جسے بینک یہ مدت گزرنے کے بعد شخص مذکور کو واپس کردے۔ قرض حسنہ کی یہ مدت کٹوتی کی شرح اور بل کی مدت کے حساب سے طے ہونی چاہیے۔ یہ ایک باہمی احسان کا معاملہ ہے، جس میں شرعی اعتبار سے کوئی نقص معلوم نہیں ہوتا۔

• ۔ صارفین کے قرضے : مذکورہ بالا غیر ربائی بینک کی ضروریات کے قرضوں کا ذکر نہیں آیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صارفین کو ضرورت کے لیے قرض حسنہ دینے کا کیا طریقہ ہوگا؟ عام طور پر صارفین کی تعداد بہت زیادہ اور ان کے مطلوبہ قرض کی رقم بہت قلیل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں انہیں یہ قرض روزمرہ ضروریات کے لیے درکار ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک تجارتی بینک کو ان بے شمار چھوٹے چھوٹے گاہکوں سے قرض حسنہ کی بنیاد پر معاملہ کرنے میں بے حد دشواری لاحق ہو سکتی ہے اس سلسلے میں ایک تجویز یہ پیش کی گئی ہے کہ غیر ربائی صارفین کے سٹورز (STORES) ان کو قرض حسنہ دینے کا بندوبست کریں۔ یہ سٹور عام لوگوں کو قرض حسنہ دیں گے۔ بعض صورتوں میں تجارتی بینک ان سٹورز کے ساتھ مضاربت بھی کر سکتا ہے۔ اس کا انحصار اس مدت پر بھی ہے جس کے لیے کسی سٹور کو بینک سے روپیہ درکار ہو۔

• ۔ ضمانت برائے اصل نفع و نقصان : اس سلسلے میں حسب ذیل سوالات اٹھائے جاتے ہیں :

(۱) کیا حکومت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ یہ ضمانت دے کہ اگر غیر سودی بینک کو نقصان اٹھانا پڑے تو اس صورت میں بھی عند الطلب کھاتے داروں کا پورا سرمایہ محفوظ رہے گا (چاہے

حکومت کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑے)۔

(۲) کیا بینک کو نقصان ہونے کی صورت میں حکومت ان کھاتے داروں کے نقصان کی تلافی کرے گی جنہوں نے اپنی رقوم بینک میں نفع و نقصان میں حصہ داری کے اصول پر رکھی تھیں۔

(۳) اگر ایک خاص شرح سے کم نفع ہو تو کیا حکومت اس کمی کی (الف) ہر حال میں تلافی کرے گی، یا (ب) اس حال میں تلافی کرے گی جب یہ نقصان کسی اتفاقی یا قدرتی وجہ سے ہوا ہو یا (ج) اس حال میں تلافی کرے گی کہ اس کی وجہ یا تو حکومت کی پالیسی ہو یا غیر متوقع ملکی یا بین الاقوامی عوامل؟ اگر اس قسم کی ضمانتیں دی جا سکتی ہیں تو کیا یہ ضمانتیں حکومت کے بجائے بیمہ کمپنی بھی دے سکتی ہے؟

سوالات کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس مفروضے پر کئے گئے ہیں کہ شرکت و مضاربت کی شکل میں بینکاری پر لوگوں کا اعتماد قائم رکھنے کے لیے حکومت کسی طرح سے یہ ضمانت دے دے کہ ایسے نئے تجربے میں کسی نقصان کا احتمال نہیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل معروضات قابل توجہ ہیں:

ا۔ جہاں تک بینکاری کے لیے نئے نظام پر اعتماد قائم کرنے کا تعلق ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اگر یہ اعتماد نہ ہو تو بینکاری کا تجربہ سرے سے آزمایا ہی نہیں جا سکتا۔ اعتماد کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ حکومت اصل زر کے تحفظ یا نقصان نہ ہونے کی بدیہی ذمہ داری اپنے سر لے۔ آج کل کاغذ کے کرنسی نوٹ گردش میں ہیں۔ جب اوّل اوّل یہ گردش میں آئے تو انہیں سونے چاندی میں تبدیل کرایا جا سکتا تھا۔ آہستہ آہستہ حکومتوں نے یہ تبادلہ بالکل ختم کر دیا۔ اب محض رسم کے طور پر ہر نوٹ پر تبادلے کی ضمانت کے الفاظ لکھے ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ نوٹ سونے چاندی میں تبدیل نہیں کئے جا سکتے، تاہم نوٹ پر مرتسم الفاظ بہر حال ایک ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح کی ضمانت کی ایک مثال زر کی تاریخ میں یہ واقعہ ہے کہ جب ہٹلر کے بعد جرمنی میں قیمتیں دس لاکھ گنا تک چڑھ گئیں تو لوگ بوریاں کی بوریاں مارک کی لیے پھرتے تھے، لیکن کوئی چیز نہ خرید سکتے تھے اس وقت کی حکومت نے تمام موجودہ کرنسی کو ختم کر دیا اور ایک نیا سکہ، جس کا نام رینٹن مارک (RENTAN MARK) تھا، جاری کیا اور اعلان کیا کہ اس سکے کے

کے پیچھے پورے ملک کی زمین ضمانت ہے۔[1] ظاہر ہے کہ یہ ایک لفظی کھیل تھا، لیکن اس ضمانت سے لوگوں کا اعتماد نئی کرنسی پر قائم ہوگیا۔ لہذا غیر ربائی بینکاری میں بھی حکومت کو لازم ہوگا کہ وہ مجمل الفاظ میں تمام نظام کی کامیابی کی ضامن بنے، تمام ربائی کار و بار سختی سے بند کرے اور قانون کے پورے تحفظ کے ساتھ اس نظام کو رائج کرے۔ ان اقدامات سے لوگوں کا اعتماد قائم کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ رہا یہ سوال کہ حکومت اصل زر، نفع کی ایک خاص مقدار، یا نقصان کے واقع نہ ہونے کی ضمانت دے تو یہ سارے معاملے کو ربائی رنگ دے گا، جس میں کہ ہم آج کل مبتلا ہیں۔

۳۔ تاریخ اسلام میں ایسے نقصانات کی تلافی کا ایک انتظام ملتا ہے اور اگر ضروری ہو تو اس انتظام کو دوبارہ رائج کیا جاسکتا ہے۔ اس کی اجمالی شکل یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے نقصان کی تلافی مقصود ہو، وہ بیت المال کو اس کی درخواست دے اور اس درخواست میں اپنے تمام مالی کوائف اور مدد کے استحقاق کی وجوہ تفصیل سے بیان کرے۔ پھر بیت المال اپنے وسائل کی حد تک (نہ کہ پورے نقصان کی حد تک) اس کی اعانت کر دے، لیکن یہ اعانت ہر معاملے میں اس کا استحقاق ثابت ہونے کے بعد ہی کی جاسکے گی۔ اس میں کوئی بالمقطع قسم کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

۴۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنے سرمائے کے تحفظ کے لیے اسلامی اصولوں پر استوار ایک باہمی انشورنس کمپنی (Mutual Insurance Company) میں اپنے سرمائے کا بیمہ کرالیتا ہے تو یہ ایک جائز صورت میں اس شخص کو بیمہ کمپنی کو ایک پریمیم الگ سے دینا ہوگا۔ یہ ضمانت بینک کی طرف سے نہ ہوگی، البتہ بینک اس کا واسطہ بن سکتا ہے کہ ایسے تمام کھاتہ داروں کا پریمیم ایک گروپ کی شکل میں کمپنی کو ادا کر دے۔ نقصان کی صورت میں صرف نقصان کی حد تک کمپنی وہ نقصان پورا کرے گی اور اگر اصل زر محفوظ رہے تو کمپنی کے ذمے کوئی حق کسی فرد کا ثابت نہیں ہوگا۔

قرضوں کا نیلام: بعض ماہرین کا خیال ہے کہ بینک لمبے عرصے کے لیے پیداواری قرضوں

---

[1] An outline of money : Crother P.6

پر مقررہ شرح سے سود لینے کے بجائے اپنے قرضوں کا نیلام کریں۔ اس کی فرضی مثال یہ ہے کہ بینک "الف" کے پاس دس کروڑ روپیہ لمبی مدت کے لیے قرض دینے کو دستیاب ہے۔ بینک مدت اور رقم کے لحاظ سے اسے مختلف اجزا میں تقسیم کر دیتا ہے :

پچاس لاکھ روپیہ ۳ سال کے لیے

پچاس لاکھ روپیہ ۷ سال کے لیے

ایک کروڑ روپیہ ۵ سال کے لیے

پچیس پچیس لاکھ کے آٹھ اجزا دس دس سال کے لیے اور

دو کروڑ روپیہ چار سال کے لیے۔

بینک ٹنڈر طلب کرتا ہے کہ جو شخص مقررہ مدت گزارنے کے بعد سرمایہ اور سرمائے کا زیادہ سے زیادہ نفع فیصد دینے کی پیش کش کرے گا، اسے یہ رقم دے دی جائے گی۔

یہ معاملہ اول تا آخر ایک ربائی معاملہ ہے۔ عام ربائی معاملے اور اس میں صرف اتنا فرق ہے کہ یہاں ربٰو کی شرح مدیون مقرر کر رہا ہے۔

اس طرح کا کوئی اقدام صرف اسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے کہ ٹنڈر میں مدیون اپنے نفع کا جو حصہ بینک کو دینے کا پابند ہو اس کا اظہار کرے، یعنی یہ اصل زر پر نہ ہو بلکہ متوقع نفع کا کوئی حصہ ہو۔ اس طرح کا کوئی ٹنڈر بینک کے لیے اسی صورت میں سودمند ہو سکتا ہے جب خود نفع کا کوئی یکساں تصور سب کے لیے استعمال کیا جا سکے، لہٰذا اگر بینک یہ طے کر دے کہ لاگت پیدائش میں کون کون سے عناصر ہوں گے اور نفع کا تعین کیسے کیا جائے گا تو پھر بعض صورتوں میں تقابل ممکن ہوگا[1] ان صورتوں میں بہت سے دوسرے عوامل از قسم کاروباری تجربہ، ماضی کی کارکردگی، بینک

---

[1] استدراک : لیکن ایک مسئلہ اس کے باوجود محل نظر ہے، وہ یہ کہ ایسی صورت میں متوقع نفع محض ایک "تصوراتی" شئ ہوگا۔ جو فی الوقت موجود نہیں ہے۔ اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے غیر موجود شئ کی فروخت جائز نہیں ہے۔

اور کاروبار کے باہمی تعلقات، ضمانت، مدت واپسی، وغیرہ بھی نظر انداز نہیں کیے جا سکیں گے۔[1]

۴۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات

مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد "اسلامی نظریاتی کونسل" کو ہدایت کی کہ وہ پاکستان میں "اسلامی بینک کاری" کے متعلق سفارشات اور تجاویز مرتب کر کے حکومت کو پیش کرے، چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل نے نومبر ۱۹۷۷ء میں پاکستان کے معروف ماہرین معاشیات اور ممتاز بینکاروں پر مشتمل ایک پینل تشکیل دیا۔ جس نے فروری ۱۹۸۰ء میں اپنی سفارشات حکومت کو پیش کیں۔ یہ سفارشات بلاسود بینکاری رپورٹ کے نام سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

یہ سفارشات و تجاویز اس لحاظ سے منفرد اور اپنی مثال آپ ہیں، کہ اس کی تیاری میں پاکستان کے ممتاز اور ذہین دماغوں نے باہم مل بیٹھ کر کام کیا ہے اور یہ جامع رپورٹ تیار کی ہے۔ یہ رپورٹ مجموعی طور پر گو ایک منفرد کاوش ہے۔ لیکن بعض مسائل پر اس میں خصوصی توجہ مبذول کی گئی ہے۔ اگرچہ اس کے بعض مندرجات محل نظر بھی ہیں۔ بہر حال اس رپورٹ کے اہم مندرجات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ نگرانی

۱۔ نئے نظام کے تحت بینک ایسی پارٹیوں کو نفع و نقصان کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کریں گے، جن کے کھاتوں کا آڈٹ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کر سکیں۔ جن پارٹیوں کے حسابات کا آڈٹ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ نہ کر سکیں انہیں ملکیتی کرایہ داری۔ بیع موجل یا پٹہ داری انتظامات کے تحت امداد مہیا کی جائے گی چھوٹی چھوٹی پارٹیاں جو حساب کتاب نہ رکھ سکتی ہوں۔ انہیں عام شرح منافع، ملکیتی کرایہ داری یا بیع موجل کی سکیم کے تحت مالی امداد مہیا کی جائے گی" (پیرا نمبر ۶۰۲) نئے نظام کے تحت سرمایہ کاری کے معاہدے بینکوں کو ان منصوبوں کی واقعی کارکردگی کی نگرانی

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی: غیر سودی بینک کاری، مطبوعہ لاہور، ڈاکٹر محمد اکرام: مقالہ علم (معاشیات) در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۴/۱۴-۱/۱۴: ۴۴۵ - ۴۵۵، بلاسود بینکاری۔ مطبوعہ لاہور۔

سونپیں گے، جن میں انہوں نے سرمایہ کاری کی ہوگی تا کہ ان کے مفادات محفوظ رہیں[1] (پ-۲-۸)
بینک بجائے خود انفرادی طور پر، دیگر مالیاتی اداروں کے تعاون سے نئے منصوبے بنا سکتے ہیں اور ایسے منصوبوں کے لیے مطلوبہ پلانٹ اور مشینری کے خریدنے کے لیے رقم "نیلامی سرمایہ کاری" کے تحت فراہم کر سکتے ہیں[2]

۲۔ ورکنگ (WORKING) بینک مختلف لوگوں کو جس طرح سرمایہ فراہم کریں گے، اس کے بارے میں کونسل کی سفارشات حسب ذیل ہیں:

ا۔ زرعی قرضہ جات: کسانوں کو قلیل المیعاد سرمایہ فراہم کرتے وقت تجارتی بینکوں کو گزارہ یونٹ سے کم اور گزارہ یونٹ سے زیادہ مالکان اراضی کے مابین فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ "گزارہ یونٹ" کے مالکان کو نقد یا جنس کی صورت میں کسی معاوضہ کے بغیر "خصوصی قرضوں کی سہولت" کے ذریعے امداد دی جا سکتی ہے۔ گزارہ یونٹ کے مالکان کو نقد یا جنس کی صورت میں کسی معاوضہ کے بغیر قرضوں کی سہولت کے ذریعے مالی امداد دی جا سکتی ہے، عام طور پر ایسے قرضے بینکوں کے ان فنڈز سے دیے جانے چاہئیں، جو غیر سودی بنیادوں پر جمع کیے گئے ہوں۔ تاہم اگر ایسے فنڈز ناکافی ہوں، تو حکومت بینکوں کو متعلقہ صورت میں ان کی "اوسط شرح منافع" کی بنیاد پر ان قرضوں کے عوض مالی امداد دے سکتی ہے، (پ-۲-۶)

---

[1] ان سفارشات کے ذریعے اسلامی نظریاتی کونسل نے بینکوں کے نگرانی کے نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ جو ایک اچھی تجویز ہے۔ اس لیے کہ اسی نگرانی اور آڈٹ پر "اسلامی بینکاری" کے نظام کی اساس رکھی جائے گی۔ موجودہ بینک چونکہ نفع ونقصان کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رکھتے، لہٰذا ان کا کام صرف اپنی شرح سود کی وصولی تک محدود رہتا ہے۔ جبکہ اسلامی بینکاری میں بینک، "سرمایہ کار" (رب المال) یا مضاربت کی حیثیت سے براہ راست اس کی ورکنگ میں شامل ہوتا ہے۔ لہٰذا نگرانی اور آڈٹ کو خوب تر بنانے کی اہمیت از خود واضح ہے۔

[2] سرمایہ کاری کی نیلامی کے جواز و عدم جواز پر آئندہ صفحات میں (شیخ محمود احمد صاحب کی تجویز کے تحت) بحث ہوگی۔

گزارہ یونٹ سے زیادہ اراضی کے مالکان کو مختصر مدت کے لیے "بیع موجل" یا بیع سلم کے تحت سرمایہ فراہم کیا جا سکتا ہے لہ (پ ۲ - ۱۷)

درمیانی اور طویل مدت کے لیے سرمایہ کاری زرعی مشینری، و آلات کی خرید و مرمت، کنوؤں کی کھدائی، ٹیوب ویلوں کی تنصیب، زمین کی اصلاح، گودام، سٹور، پولٹری اور ڈیری فارموں کی تعمیر کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ زرعی شعبہ میں درمیانی اور طویل المقاصد سرمایہ کاری کے لیے سود کی جگہ کسی ایسے متبادل طریقے کو رائج کرنا جو شریعت کے مطابق ہو، ممکن نہیں ہے بس مختلف مقاصد کے لیے مختلف متبادل طریقے اختیار کرنے پڑیں گے۔ (پ ۲ - ۱۸، ۲۱ - ۲۴)

ب - تجارتی قرضہ جات/سرمایہ کاری: نئے نظام کے تحت ایسے خوردہ فروشوں کو جو اپنے کاروبار کا باقاعدہ حساب کتاب نہیں رکھ سکتے، بیع مؤجل کے تحت، یا خصوصی قرضوں کی سہولت کی بنیاد پر ایسے فنڈز سے قرضے دیے جا سکتے ہیں، جو بینک نے بلا سودی بنیاد پر جمع کیا ہو۔

لہ یہاں کونسل نے کاشتکاروں کو جو بیع مؤجل یا بیع سلم کے تحت قرض فراہم کرنے کی جو سفارش کی ہے، وہ غور طلب ہے۔ بیع "بیع سلم" کی کچھ شرائط ہیں، جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس میں دونوں طرف نقدی/سکے نہ ہوں لہذا اس صورت میں یہ لازم آتا ہے، کہ حکومت کاشتکاروں سے، ان کی "جنس"، قبل از وقت رقم ادا کرکے، قدرے کم قیمت پر خرید لے۔ اور زمینداروں کو قیمت قبل از وقت دیدے۔ اس کی دوسری شرط یہ ہے۔ کہ اس میں وقت کی تعیین بیع کے وقت جانی چاہئیں۔ لہذا یہ اس کے لیے "مدت مجہول" نہیں ہو سکتی تیسری شرط یہ ہے۔ کہ اس کے "بدل" یا قیمت پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے۔ گویا جس مجلس میں معاہدہ ہو اسی مجلس میں انہیں رقم ادا کر دی جائے۔ جبکہ "بیع مؤجل" میں معاملہ برعکس ہوتا ہے، یعنی "مبیع" پہلے اور قیمت بعد میں۔ لہذا اس تجویز پر مذکورہ شرائط کی روشنی میں عمل کیا جا سکتا ہے تاہم زیادہ بہتر یہ ہے۔ کہ زمینداروں کو قرض۔ قرض حسنہ کے طور پر دیا جائے۔

اگر یہ فنڈ ان کی مدد کے لیے کافی نہ ہو، تو حکومت ان خصوصی قرضوں کے عوض تجارتی بینکوں کو اس دوران میں ان کی اوسط شرح منافع کی بنیاد پر امداد مہیا کرے۔ جہاں بینکوں کی جانب سے تجارتی شعبے میں اقراض زر، اوور ڈرافٹ اور عند الطلب قرضوں اور ہنڈی بھنانے کی صورت میں سرمایہ کاری کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں وہی طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے، جس کی سفارش صنعتی شعبے کی رواں سرمائے کی ضرورتیں پوری کرنے کے ضمن میں اوپر کی گئی ہے لیٹر آف کریڈٹ کی صورت میں بینک اپنی خدمات کے عوض کچھ معاوضہ وصول کر سکتے ہیں اور ان کے لیے نفع و نقصان میں شرکت ضروری نہیں ہوگی (پیراگراف : ۲ - ۲۳)

ٹرکوں، بسوں، بڑی گاڑیوں اور پرائیویٹ کاروں کی خرید کے لیے بنک "ملکیتی کرایہ داری" یا "بیع مؤجل" کے نظام کے تحت سرمایہ فراہم کر سکتے ہیں۔ (پ ۲ - ۲۵)

تعمیر مکانات کے لیے تجارتی بینک وہی طریقے کار اپنا سکتے ہیں جس کی سفارش کونسل نے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے لیے کی تھی، اور جسے مذکورہ کارپوریشن اختیار کر چکی ہے۔ (۲ - ۲۴)

محنتی اور ہونہار طلباء کو تعلیمی مقاصد کے لیے بلا سود قرضے دیے جا سکتے ہیں آفت زدہ علاقوں کے لوگوں کو وفاقی زکوٰۃ فنڈ سے قرضے دیے جا سکتے ہیں، اس کے علاوہ صارف کو پائیدار اشیاء کی فراہمی کے لیے جو اقتصادی طور پر جائز ہو "بیع مؤجل" یا "ملکیتی کرایہ داری" کے تحت محدود پیمانے پر سرمایہ فراہم کیا جا سکتا ہے (پ ۲ - ۲۷ ؛ ۲۸)

۳ - بینکوں کی بچتیں / امانتیں / منافع

۱ - امانتیں جمع کرانے والوں کے اعتماد کو کسی ٹھیس سے محفوظ کے لیے۔ نیز بینکوں کی طرف سے چلائی گئی بچت اسکیموں کی کامیابی کے لیے مختصر عبوری مدت میں بینکوں میں امانتیں جمع کرانے کا موجودہ طریقہ جاری رہنا چاہیے (پ ۲ - ۲۹)

۲ - نئے نظام میں بچت کھاتوں اور میعادی امانتوں پر قابل تقسیم منافع بینکوں کے نفع و نقصان کی بنیاد پر مختلف شرح سے واجب الادا ہوگا (۲ - ۳۰)

۳ - نئے نظام میں کے تحت امانتوں کے عنوان نیز ان سے متعلق قوانین اور طریق کار

حتی الامکان تبدیل نہیں ہونے چاہئیں تاکہ الجھنیں پیدا نہ ہوں، تاہم بینک کاری کی اصطلاح میں بعض تبدیلیاں موجودہ نظام میں انقلاب لانے کی راہ میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں، بینکوں کو اس بات کی بھی مکمل آزادی رہنی چاہیے کہ وہ امانتوں کو مختلف مدات میں لگا سکیں۔ امید کی جاتی ہے کہ امانتوں کو نئے نظام کے مطابق ڈھالنے کے بعد جس طرح حکومت اس وقت قومیائے گئے بینکوں کی امانتوں کی ضمانت دیتی، اسی طرح عبوری مدت میں بھی دیتی رہے گی۔ (پ ۲۱ - ۳۳)

۴۔ نئے نظام میں کم منافع دینے والے بینکوں کی طرف امانتوں کی منتقلی روکنے کے لیے ضروری ہے کہ قومیائے گئے بینکوں میں جمع شدہ تمام امانتوں کا کل منافع ایک جمع کر لیا جائے، اور پھر اسے جملہ امانتداروں میں یکساں شرح سے تقسیم کیا جائے[ل] (پ ۲ - ۳۴)

۵۔ بینکوں کے مابین کاروبار نفع و نقصان میں حصہ داری کی بنیاد پر جاری رکھا جائیگا۔ (پ ۲-۳۵)

ل یہ دفع اسلام کے قانون مضاربت اور قانون شراکت دونوں کی روح کے منافی ہے۔ اس لیے کہ جب بینک (الف) کے امانت داروں کے حصے میں منافع مثلاً دس فیصد آرہا ہو، تو اسے بینک (ب) کے ساتھ ملاکر، انھیں کم حصہ دینا۔ ان کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے، جسکی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح یہ دفعہ بینکوں کے درمیان مسابقت کے جذبے کو ختم کرنے کا بھی باعث ہوگی، اس لیے کہ جب انھیں معلوم ہوگا۔ کہ دوسرے بینکوں کے ساتھ مل کر اس کے منافع بھی یکساں ہو جائیں گے۔ تو وہ منافع کے حصول کے لیے زیادہ محنت اور دماغ سوزی سے کام نہ لیں گے۔ اس لیے ہمارے خیال میں بینکوں کے درمیان مسابقت کا جذبہ باقی رکھنا ضروری ہے اور اگر کسی بینک کی بہتر کارکردگی، بہتر اخلاقی معیار اور بہتر خدمات کی بنا پر اس کی طرف لوگوں کا رجحان زیادہ ہو جائے، تو یہ بات اسلامی بینک کاری کے منافی نہیں ہے۔ البتہ حکومت کو اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے، کہ آیا کوئی بینک "سودی" کاروبار کے ذریعہ تو کاروبار کو وسعت نہیں دے رہا جو اسلامی بینک کاری کے لیے واقعی خطرے کی بات ہوگی۔

۴۔ اسٹیٹ بینک (STATE BANK) کا کردار

اسٹیٹ بینک (STATE BANK) تجارتی بینکوں کو اپنی مال کاری کی مختلف اسکیموں کے تحت اور اس کے علاوہ ان کی نقد پذیری کی عارضی قلتیں دور کرنے کے لیے مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ نئے نظام کے تحت عام طور پہ ایسی امداد نفع ونقصان میں حصہ داری کی بنیاد پر فراہم کی جائے گی۔
(پ/۲-۳۶)

۲۔ پاکستانی بینکوں کی غیر ملکی شاخوں نیز اندرون ملک تجارتی بینکوں جن میں غیر ملکی کرنسی جمع ہوتی ہے اور بیرون ملکوں کے ساتھ پاکستانی بینکوں کا لین دین بعض خاص سورتوں میں سود کی بنیاد پہ جاری رہے گا۔ غیر سودی آمدنی کو سودی آمدنی سے علیٰحدہ رکھنے کے لیے پاکستانی بینکوں کا انتظام ایک علیٰحدہ کارپوریشن کے سپرد کر دیا جائے، اور غیر ملکی کرنسی میں جمع کردہ امانتیں بھی اس کی تحویل میں دے دی جائیں، اس کارپوریشن کو مقامی امانتیں جمع نہیں کرنی چاہئیں۔ (پ/۲-۳۸)

۵۔ شیخ محمود احمدؒ کی تجاویز

اسلامی نظریاتی کونسل کی مذکورہ بالا کمیٹی میں شیخ محمود احمد بھی شامل تھے۔ انہوں نے کمیٹی کی سفارشات پر، جو بعد میں "بلاسود بینکاری رپورٹ" کے نام سے شائع ہوئیں، مختلف اعتراضات کیے اور بعض مثبت تجاویز بھی پیش کیں۔ مگر کونسل نے اکثریت کی رپورٹ بعض ترمیموں کے ساتھ منظور کر لی اور شیخ صاحب کا اختلافی "نوٹ" منظور نہ کیا۔ اور نہ ہی اپنی رپورٹ میں اسے اہمیت دی۔

لہ اس شق میں نظریاتی کونسل نے پاکستانی بینکوں کی غیر ملکی شاخوں، نیز اندرون ملک کی ایسی شاخوں جنہیں غیر ملکی کرنسی جمع کرنے کی اجازت ہے۔ کو سودی کاروبار جاری رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جو اگرچہ فی الوقت پاکستان اور دوسرے اسلامی ملکوں کی ضرورت ہے لیکن بہرحال اس سے ایک چور دروازہ (Black Market) باقی رہ جاتا ہے۔ اور فی الوقت پاکستان کے تمام بینکوں کو غیر ملکی کرنسی میں کھاتے کھولنے کی اجازت ہے۔ اور غیر ملکی کرنسی کا حصول بھی آسان ہے، اس لیے یہ چور دروازہ تمام اسلامی بینک کاری کو تلپٹ کر سکتا ہے۔

شیخ صاحب نے اپنا یہ اختلافی نوٹ "سود کی متبادل اساس" ادارہ ثقافت اسلامیہ سے ۱۹۸۶ء میں شائع کر دیا ہے۔ اس کتاب میں شیخ صاحب نے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔

اسی کتاب میں سود کی متبادل اساس کے طور پر حسب ذیل "صورتوں" پر بحث کی گئی ہے:

۱۔ پہلی مجوزہ اساس : سروس چارج | اس کا مفہوم یہ ہے کہ بینک اپنے کھاتہ داروں سے ان کی امانتوں کی حفاظت کے لیے "مصارف" وصول کرے۔ یہ مصارف بہت معمولی نوعیت کے ہوں گے۔ اسلامک ڈویلپمنٹ بینک اور ایران اس اساس کو قبول کر چکے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ اساس قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔[۱]

۲۔ دوسری مجوزہ اساس : قرضوں اور بچتوں کا انڈیکس | یعنی سکے کی قیمت جتنی گرے اسی اعتبار سے قرض اور بچتوں میں اضافہ کر دیا جائے۔ تاہم رپورٹ کے مطابق مختلف تعمیری سمتوں میں منافع ایک جیسا نہیں ہے۔

۳۔ تیسری مجوزہ اساس : کرایہ کاری | تیسری یہ ہے کہ صنعت کاروں کو قرض دینے کے بجائے ایسے کارخانے یا مشینیں خرید کر دے دی جائیں، جن کو وہ اپنی صنعتوں میں استعمال کرنا چاہتے ہوں۔ یہ مشینیں کرایہ پر دی جائیں گی۔ اور کرایہ کا تعین کرتے ہوئے گھسائی کے علاوہ منافع کا عنصر شامل کر لیا جائے گا۔ شیخ صاحب نے اس اساس کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ اس تجویز میں رپورٹ کے مرتبین نے قرض کی رقم کو مشین کی شکل دے دی ہے۔ جو سود ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ پھر اسلام نے جن اشیاء کے کرائے کو لینا جائز قرار دیا ہے، مشینیں اس میں شامل نہیں ہیں۔[۳]

---

[۱] سود کی متبادل اساس، ص ۵۹ - ۶۲

[۲] ایضاً : ۶۲

[۳] ایضاً : ۶۲ - ۶۸

۴۔ چوتھی مجوزہ اساس: سرمایہ کی نیلامی

اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں اس اساس کو لمبے اور درمیانی مدت کے قرضوں کے لیے استعمال کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے جس کا طریقہ یہ ہوگا۔ کہ تمام بینک ایک مشترک ادارہ بنالیں گے۔ اور سرمایہ کاری کی کوئی سکیم جو صنعت کار لائیں یا بینک خود ایسی اسکیم بنائے، اسے نیلام کر دیں گے۔ نیلامی سے قبل اس کی کم از کم قیمت مقرر کر دی جائے گی، جس میں بینک کے مصارف کے علاوہ اس کے ۸ فیصد منافع بھی شامل ہوں گے۔ اس نیلامی کے نتیجے میں بینک کو وہ قیمت مل جائے گی، جو وہ چاہتا ہے۔ لیکن شیخ صاحب کے بقول یہ بھی "سود" ہی کی ایک بدلی ہوئی صورت ہے، اور پھر اس سے مہنگائی کم ہونے کا وہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا۔ جو اسلامی معیشت میں ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے[1]

۵۔ پانچویں مجوزہ اساس: مرابحہ

اسلامی نظریاتی کونسل نے غیر منقولہ سرمایہ کاری، متوسط اور چھوٹے پیمانے پر ایسی فرموں کے لیے جو باقاعدہ حساب نہیں رکھ سکتیں، بڑے زمینداروں کے لیے چھوٹی مدت کے قرضے پر وغیرہ پر "بیع مرابحہ" کی متبادل تجویز پیش کی ہے، جس سے مراد یہ ہے۔ کہ بینک کوئی شئے خرید کر اپنے ایجنٹ کی معرفت، اسے ایک مناسب گراں قیمت پر، آگے کسان کو فروخت کر دے۔ مثال کے طور پر وہ کھاد کی ایک بوری اپنے ایجنٹ کی معرفت ۵۰ روپے پر خرید کر، آگے ۵۵ روپے پر فروخت کرے۔ جس کی اسلام نے اجازت دی ہے، لیکن کیا بیع مرابحہ۔ اُدھار پر ہو سکتی ہے؟ شیخ صاحب کے خیال میں یہ بھی سود ہی کی ایک شکل ہے اور یہ بھی اصل مسئلے کا حل نہیں ہے[2] تاہم ہمارے خیال میں شیخ صاحب کی یہ رائے محل نظر ہے۔

۶۔ چھٹی مجوزہ اساس: قسطوں میں خریداری

اس تجویز کی رُو سے بینک کو یہ اختیار حاصل ہوگا۔ کہ وہ اس کی خرید کردہ دی ہوئی شئے

---

[1] متبادل اساس۔ ۶۴۔ ۷۰

[2] ایضاً : ۷۱۔ ۷۵

کی جب تک پوری قیمت قسطوں میں وصول نہیں کر لیتا۔ اُس وقت وہ اس شئے کا کرایہ بھی وصول کرتا رہے گا۔ یہ تجویز صنعت وحرفت کی پائیدار اشیاء کی حرفی ضروریات اور دیگر مطلوبہ اشیاء کی خریداری وغیرہ کے لیے پیش کی گئی ہے۔ بقول شیخ صاحب یہ تجویز بھی سود ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے[1]

۷۔ ساتویں مجوزہ اساس : نفع ونقصان میں اوسط منافع کی سطح پر شرکت

چونکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی مذکورہ رپورٹ کے مرتبین کے ذہن وفکر پر "سود" اور "منفعت" کا تصوّر غالب تھا، اس لیے انہوں نے ہر مسئلے میں ممکنہ نفع کو پیش نظر رکھا ہے۔ چنانچہ زیرِ نظر تجویز کا ماحصل یہ ہے کہ حکومت ایک ایسا ادارہ قائم کرے۔ جو ہر صنعت اور کاروبار پر اوسط شرح منافع تخمینہ مقرر کرے، اور تمام تجارتی بینک اسی تخمینی شرح کے مطابق لوگوں اور صنعت کاروں کو قرض دیں۔ لیکن اربابِ بصیرت پر، یہ بات مخفی نہیں ہے کہ "معین منافع" سود ہی کی ایک بدلی ہوئی صورت ہے۔ لہٰذا یہ تجویز اسلام کے قانونِ عدل کے مطابق نہیں ہے[2]

۸۔ آٹھویں مجوّزہ اساس : متبادل قرض کا تصوّر

یہی تجویز ہے، جو شیخ صاحب کے نزدیک مذکورہ بالا تمام تجویزوں سے بہتر اور مناسب ہے، انہوں نے اس کے حق میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔

اس تجویز کا ماحصل یہ ہے۔ کہ ہر قرض کے مقابل مقروض سے ایک متبادل قرض۔ جو قرض کی رقم کی ایک کسر ہو، لے لیا جائے۔ اور کسر کی کمی وقت کے مضاعف سے پوری کی جائے، اس تجویز کے پس منظر میں یہ نکتہ ہے، کہ مثلاً درج ذیل سب قرض برابر قدر وقیمت رکھتے ہیں:

ایک سال کے لیے ۱۰۰۰ روپے
دو سال کے لیے ۵۰۰ روپے
چار سال کے لیے ۲۵۰ روپے

---

۱ متبادل اساس : ۷۵ - ۸۱

۲ ایضاً : ۸۱ - ۳۳

پانچ سال کے لیے ۲۰۰ روپے
دس سال کے لیے ۱۰۰ روپے

گویا اگر ایک قرض خواہ ایک ہزار روپیہ ایک سال کے لیے مانگتا ہو، تو اس کی حیثیت اور ملک کی بینکاری کی پالیسی کے مطابق فرض کیجیے، اس سے متبادل قرض پانچ سال کے لیے دوسو روپیہ لیا جائے، تو قرض کی اساس فراہم ہوگئی۔ کیونکہ جو ایک فریق نے لیا ہے۔ اسی کے برابر دوسرے فریق کو فراہم کر دیا ہے، اس طرح ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہے۔ مقروض ایک سال کے بعد بینک کو ایک ہزار روپیہ واپس لوٹا دے گا۔ اور اس میں کوئی اضافہ شامل نہیں کرے گا، اسی طرح بینک پانچ سال کے بعد مقروض کے دوسو روپیہ اسے یا اس کے وارثوں کو لوٹا دے گا۔ اور وہ کسی قسم کی بڑھوتری ادا نہیں کرے گا۔

شرعی نقطۂ نظر سے اس تجویز پر پہلا اعتراض یہ ہے۔ کہ "قرض" کے "عوض" قرض ہے اور مؤطا امام مالک کی روایت کی رُو سے۔ جب دین کے عوض دین کی بیع سے منع فرمایا گیا ہے۔ ممنوع ہے، تاہم بقول شیخ صاحب زیرِ نظر صورت اس ممانعت کی زد میں اس لیے نہیں آتی۔ کہ اس میں ربوٰ یعنی سود کا معاملہ نہیں ہے۔ اور کتب فقہ کی رُو سے مذکورہ ممانعت ربائی صورت میں ہے۔ جب قرض خواہ قرض دہندہ سے یہ کہے۔ کہ "مجھے اتنی مہلت اور دے دو اور قرض کی اتنی رقم اور بڑھا لو"[1]

تاہم اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے، تو شیخ صاحب کا جواب مذکورہ "اعتراض" کو ختم نہیں کرتا، اس لیے کہ انہوں نے فقہ کے جس جزئیے کا حوالہ دیا ہے، وہ مختلف ہے اور اگر قرض لینے کے لیے قرض دینے کو شرط ٹھہرا دیا جائے، تو اس صورت میں یہ معاملہ مذکورہ حدیث کے تحت داخل ہوگا۔

۲۔ اس اساس پر دوسرا اعتراض یہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ یہ "کل قرض جرّ منفعةً فھو ربا" (قرض سے جو نفع حاصل ہو، وہ ربا (سود) ہے)، کی روشنی میں ربا ہی کی ایک شکل ہے۔ شیخ صاحب

---

[1] متبادل اساس : ۸۳ - ۸۸

نے اگرچہ مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا مودودی کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ لیکن مسئلہ حدیث کے کمزور یا ضعیف ہونے کا نہیں ہے۔ بلکہ "ربوٰ" "سود" کی تعریف کا ہے اور یہ امر واقعہ ہے۔ کہ اکثر محدثین، مفسّرین، فقہاء اور محققین نے اس حدیث کو یا "اثر" کو ربوٰ (سود) کی تعریف کے طور پر قبول کیا ہے، اس لیے شرط قرار دینے کی صورت میں بہرحال یہ ایک "ربوٰ" ہی کی ایک شکل ہے۔ بایں ہمہ ہمارے خیال میں شیخ صاحب کی مذکورہ تجویز، جو اگرچہ شک و شبے سے بالاتر نہیں ہے۔ مگر اسے محدود سطح پر اپنایا اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اختتام اسلامی بینک کاری کے عنوان پر سطور بالا میں اسلامی نظریاتی کونسل اور شیخ محمود احمد صاحب کے حوالے سے بہت سی تجاویز زیر بحث لائی گئی ہیں، ان میں سے ہر ایک تجویز تفصیل طلب ہے اور غور کی متقاضی ہے۔

ہمارے خیال کے مطابق "اسلامی بینک کاری" کے لیے مؤخر الذکر سمیت کسی ایک تجویز کو بھی متبادل اساس کے طور پر قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بجائے، اسلامی بینک کاری بیک وقت ایک سے زائد تجاویز پر عمل کر کے ہی شروع کی جا سکتی ہے۔ اس لیے موجودہ بینکوں کی طرح اگر اسلامی بینک میں بھی مختلف کھاتے کھولے جائیں تو عین مناسب ہوگا۔ ان کھاتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ کرنٹ اکاؤنٹ یا رواں کھاتہ یہ کھاتہ ایسے لوگوں کے لیے ہوگا، جو بینک میں لمبی مدت کے لیے اپنی رقم جمع نہیں کرانا چاہتے اور وہ بینک سے اپنی رقوم کی حفاظت کے متقاضی ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بینک "پہلی مجوّزہ اساس سروس چارج" کے مطابق معاملہ کرے۔ جیسا کہ اس وقت بھی اگر "کرنٹ اکاؤنٹ" میں کم رقم ہونے کی صورت میں اکاؤنٹ ہولڈر کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن تمام نظام کے لیے اس کو اساس بنانا ممکن نہیں ہے۔

له اس تجویز پر مزید بحث و تمحیص کی ضرورت ہے۔ اہلِ علم کو اس تجویز پر بحث کے لیے پیش قدمی کرنا چاہتے۔ کیونکہ اسی طرح کسی شے کے حسن و قبح کا پتہ چل سکتا ہے۔

ب ۔ نہ نفع نہ نقصان کی بنیاد پر بچت کھاتے

لیکن اگر کچھ لوگ بینک کو بینک چارجز ادا نہ کرنا چاہیں اور وہ اپنی رقم کی حفاظت بھی چاہیں تو ان کے لیے بینک "نفع نہ نقصان" کی بنیاد پر ایسے کھاتے جاری کر سکتا ہے، جس کے حامل (BEARER) کو اپنی رقم کی حفاظت بھی حاصل ہو سکے، اور اسے اپنی رقم کی حفاظت کے لیے مزید رقم بھی ادا نہ کرنا پڑے۔

بینک ایسی رقوم کو "قرض حسنہ" کے فنڈ میں ڈال سکتا ہے، اور اس رقم سے "متبادل قرض" کی اساس پر متبادل قرض حاصل کر سکتا ہے، تاکہ اس رقم کی حفاظت سے بینک کو بھی نقصان نہ ہو۔ اور اس کی حفاظت کے لیے ایک بنیاد بھی مہیا ہو سکے۔

ج ۔ بچت کھاتے (SAVINGS ACCOUNT)

اس کے ساتھ بینک بچت کھاتے بھی کھولے گا۔ جس میں ایسے لوگوں کی رقوم رکھی جائیں گی۔ جو اپنی رقم کسی نفع بخش کاروبار میں لگا کر، نفع کمانا چاہتے ہوں۔ اس مقصد کے لیے بینک اسلام کے قانون "مضاربت" اور "قانون شرکۃ" سے بھرپور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ان ذرائع سے بینک کو جو نفع ہو، وہ یکساں شرح کے ساتھ کھاتہ داروں میں تقسیم کر دے۔

مضاربہ اور شرکۃ کی ایک صُورت یہ ہے۔ کہ کھاتہ دار کسی ایک دوکان یا فیکٹری میں کلی طور پر بینک کی وساطت سے سرمایہ کاری کرے۔ مقصد یہ ہو، کہ اسے بینک کی طرف سے نگرانی اور آڈٹ کی وہ تمام سہولتیں حاصل ہو جائیں، تو تنہا اسے حاصل ہونا ممکن نہیں ہیں۔ اور دوسری صُورت یہ ہے، کہ چھوٹے چھوٹے کھاتہ داروں کے گروپ قائم کر کے، ان کے مجموعی سرمایہ سے بینک کاروبار کرے اور مدت گزارنے کے بعد، بینک ضروری اخراجات نکال کر، منافع ان کے مابین تقسیم کر دے۔

ایران میں اسلامی بینک کاری کو مکمل طور پر اسلام کے "قانون مضاربت" پر مبنی کیا گیا ہے، جو بینک کاری کے مستقبل کے لیے ایک عمدہ مثال ہے۔

د ۔ بینک کے کاروبار

آخر میں اس سوال کا جواب بھی ہمیں تلاش کرنا ہوگا، کہ "اسلامی بینک" متبادل کرنسی اساس پر کام کرے گا۔ اس ضمن میں مختلف "قدرات" سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل نے جو تجاویز دی ہیں، انہیں "اساس"

بنایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر، اسلامی نظریاتی کونسل نے بڑی صنعتوں کے لیے :

۱۔ کرایہ کاری کی تجویز پیش کی ہے، جس سے مراد یہ ہے، کارخانہ دار، جب ان مشینوں کی "اصل قیمت" اقساط میں ادا نہ کردیں، اس وقت ان سے ایک مقررہ شرح سے اس "مشین" کا کرایہ وصول کیا جائے۔ یہ تجویز اگرچہ پوری طرح اعتراضات سے مبّرٰی نہیں ہے اور شیخ محمود احمد صاحب نے اسے "سود" ہی کی دوسری صورت قرار دیا ہے، لیکن سود کو ختم کرنے کے لیے آخر کسی نہ کسی صورت کو تو متبادل اساس بنانا ہوگا۔ اور اگر ماہرین فقہ اسلامی "کرایہ کاری" کی تجویز کو بحث و تمحیص کے بعد، جائز قرار دیں، تو ایسی صورت میں، اس کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔

رہا یہ کہنا کہ مشینوں کو کرائے پر لینا مختلف فیہ ہے۔ درست نہیں ہے، اس لیے کہ شریعت کے عام قواعد کی رُو سے کسی بھی شیئے کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔ حتّٰی کہ بعض ایسی اشیاء کو بھی کرایہ پر دینا اور لینا جائز ہے۔ جن کی خرید و فروخت نہیں ہے۔ مثلاً کسی "آزاد شخص" کو کچھ مدت کے لیے یا کسی کام کے لیے "اجارہ" پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جسے عرف عام میں ملازمت یا صنعت و حرفت کہا جاتا ہے۔ البتہ چونکہ یہاں بیع اور اجارہ دونوں صورتیں یکجا ہو رہی ہیں۔ جو قواعد شرع کی رُو سے ناجائز ہیں۔ اس لیے ماہرین فقہ اسلامی کو یہاں اجتہاد یا غور و خوض کی ضرورت ہوگی۔ اگر وہ اس کو جائز قرار دیں، تو فبہا ورنہ اس تجویز کو رد کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ مرابحہ :

اسی طرح بیع مرابحہ۔ والی تجویز :

بیع مرابحہ کی صورت یہ ہے۔ کہ کوئی شئ مثلاً دس روپے پر خرید کر، ۵۵ روپے میں فروخت کر دی جائے اور قیمت اُدھار وصول کی جائے۔ یہ بیع تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ اس کے لیے ضروری ہے۔ کہ دو میں سے ایک شئ مجلس ہی میں وصول کر لی جائے، اور قیمت کی وصولی کے لیے وقت کی تعیین کر لی جائے، تاکہ یہ "بیع سلم" کے تحت جائز قرار پاسکے۔

کاشتکاروں اور چھوٹے دوکانداروں کے لیے اس اصول پر، معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ بینک اپنے ایجنٹ کی معرفت ان سے معاہدہ کرے اور اسی کی وساطت سے انہیں اشیاء (بصورت اعیان) مہیا کرے اور انھیں اس کی خرید کے لیے رقم نہ دے۔ بیع مرابحہ کی تفصیلات کتب فقہ

ہیں موجود ہیں ۔ اس مقصد کے لیے ان کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے ۔

۳۔ اس نفع ونقصان میں حقیقی شرکت : یا مضاربہ

بنکنگ کے نظام کو نفع پر استوار کرنے کے لیے بنک کو اسلام کے قانون شرکت اور قانون مضاربۂ سے وسیع بنیادوں پر کام کرنا ہوگا ۔ اس لیے کہ ان دونوں اساسات میں بنکنگ کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے ۔ بشرطیکہ صدق دل اور خلوص نیت سے ایسا کیا جائے ۔

بنک کے موجودہ نظام میں نفع ونقصان میں برائے نام شرکت کا لیبل ضرور لگا دیا گیا ہے ۔ مگر اس سے آگے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے ۔ ضرورت اس امر کی ہے، کہ ان بنیادوں پر وسیع تر کام کی بنیاد رکھی جائے اور اسلام کے ان قوانین سے بھرپور استفادہ کیا جائے ۔

اوپر ذکر آچکا ہے ۔ کہ ایران میں بنک کاری کے لیے قانون مضاربہ کو اساس قرار دیا گیا ہے اور ایران کے موجودہ بنک اسی اساس پر کام کر رہے ہیں ۔

لہٰذا اس میدان میں ایران کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۔ اس کے علاوہ ہمارے برادر ملک "سعودی عرب" اور ہمارے ہمسایہ ملک "چین" میں بھی بنکنگ کا اندرونی نظام غیر سودی بنیادوں پر استوار ہے ۔ اس مقصد کے لیے ۔ ان ممالک کے تجربات بھی ہمارے لیے رہنمائی کا کام دے سکتے ہیں ۔

خلاصہ بحث

اوپر صفحات میں اس عنوان پر جو کچھ لکھا گیا ہے ۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱ ۔ بنکنگ کا نظام مکمل طور پر اصلاح طلب ہے اور اس میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے ۔

۲ ۔ "اسلامی بنک کاری" پر نظریاتی اور فکری طور پر بہت سا مواد تیار ہو چکا ہے، ضرورت اس امر کی ہے ۔ کہ اس کو اپنا کر عملی تجربے کی شکل دی جائے ۔

۳ ۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے "غیر سودی بینکاری رپورٹ" کے نام سے جو رپورٹ تیار کی ہے، تو اس کی بہت سی باتیں تنقیح طلب ہیں ۔ اگر حکومتِ وقت واقعی اس مسئلے میں مخلص ہے، تو اس مسئلے پر دوبارہ کوئی کمیشن بٹھائے جو مکمل غور وخوض کے بعد اس مسئلے پر دوبارہ رپورٹ پیش کرے ۔

۴ ۔ وفاقی شرعی عدالت نے موجودہ بنکنگ کے خلاف جو فیصلہ دیا ہے ۔ حکومت اس فیصلے کے مضمرات سے بچنے کے بجائے ۔ اس پر عمل کرنے کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی تیار کرے، جو اس فیصلے کی روشنی میں آئندہ کا لائحۂ عمل تیار کرے ۔

۵ ۔ " اسلامی بینک کاری " کے موضوع پر، اور اس کی جزئیات پر لکھنے کے لیے اہل قلم اور اہل فکر کو دعوت دی جائے، جو اس کے مختلف پہلوؤں پر اظہار کریں ۔ اسی طرح اس پر منصوبہ بندی کے لیے، کسی محکمہ کے ذریعے عوام ۔ علماء، قانون والوں اور ماہرین سے مشاورت بھی طلب کی جا سکتی ہے اس طرح اس موضوع پر کام کرنے کے لیے ایک وسیع بنیاد قائم ہو جائے گی ۔

۶ ۔ اسلامی بینک کاری پر " اجتہاد " کی بھی ضرورت ہے تاکہ نئے مسائل کا، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل تلاش کیا جا سکے ۔

ماخذ و مصادر

۱۔ قرآن مجید، محمد فواد عبدالباقی: معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، بذیل مادہ ربوٰ:
کتب تفسیر۔

۲۔ کتب احادیث نبویہ، بالخصوص عشرۂ متداولہ۔ A. J. WESINCK: معجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، مطبوعہ بیروت۔ بذیل مادہ ربوٰ، صدقہ، ہبہ وغیرہ۔

۳۔ Encyclopaedia Britanica ایڈیشن 1950 مادہ: Banaking

۴۔ Encyclopaedia of Islam مطبوعہ لیڈن مادہ RIBA

۵۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، مقالہ ربوٰ، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور۔

۶۔ ابن القیم: علام الموقعین، مطبوعہ دمشق،

۷۔ ابن رشد: بدایۃ المجتہد، مصطفیٰ البابی قاہرہ ۱۳۷ ، ۲ : ۱۲۸۔

۸۔ ابن قدامہ: المغنی، دار المنار، قاہرہ ۱۳۶۷۔

۹۔ الکاسانی: بدائع الصنائع، مطبوعہ قاہرہ ۵ : ۱۸۰۔۱۸۴۔

۱۰۔ انور اقبال قریشی: اسلام اور سود، لاہور ۱۹۷۱ء

۱۱۔ ظفر احمد عثمانی: کشف الدجی امداد الفتاویٰ، ۳ : ۱۳۰۔ مطبوعہ کراچی ۱۳۷۳ھ

۱۲۔ مفتی محمد شفیع: محمد تقی عثمانی: مسئلہ سود، کراچی ۱۳۹۰ھ

۱۳۔ ایضاً: اسلام کا نظام تقسیم دولت، کراچی ۱۹۶۸ء

۱۴۔ نجات اللہ صدیقی: غیر سودی بینکاری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۹ء

۱۵۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: سود، لاہور ۱۹۶۱ء

۱۶ - ایس اے : غیر سودی بینکاری ، کراچی -

۱۷ - ڈاکٹر محمد اکرام : غیر سودی بینکاری ، لاہور

۱۸ - ایضاً علم (معاشیات) ، (مقالہ) ، در اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ، ۱۴/۱ -

۱۹ - شیخ محمود احمد : اسلام کا نظریۂ سود اور بینکاری ، در ثقافت لاہور ، اکتوبر ۱۹۶۰ء (۳۰-۳۳)

۲۰ - ایضاً : سود کی متبادل اساس - لاہور کلب روڈ لاہور ۱۹۸۶ء -

۲۱ - جعفر شاہ پھلواری : کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت - لاہور ۱۹۵۰ء -

۲۲ - سید یعقوب علی شاہ : چند معاشی مسائل اور اسلام . لاہور ۱۹۶۷ء

۲۳ - محمد اسحاق صدیقی : مشین پر زکوٰۃ ، در بینات کراچی ، ج ۲۰ شمارہ ۴ -

۲۴ - ڈی ایم قریشی : بلا سود بینکاری ، لاہور -

۲۵ - مناظر احسن گیلانی : اسلامی معاشیات لاہور -

۲۶ - مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی : اسلام کا اقتصادی نظام - لاہور

۲۷ - مظفر حسین ملاٹھوی : بلا سود بینکاری ، کراچی - ۱۹۸۸ء

۲۸ - نوائے قانون سود بنکنگ نمبر ، شائع کردہ ڈاکٹر عبدالمالک عرفانی ، اکتوبر ۱۹۹۱ء (ج ۲ شمارہ ۱۰)

۲۹ - اسلامی نظریاتی کونسل بلا سود بینکاری رپورٹ - لاہور -